ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

32

www.tanzeem.org

22 تا 28 شوال المکرم 1435ھ/19 تا 25 اگست 2014ء

اس شمارے میں

بحران کا آئینی اور سیاسی حال

شہادت کا اساسی مفہوم

دیکھے نہ تیری آنکھ نے......

مگر ہم کم ہی شکر ادا کرتے ہیں

نظریاتی تعلیم، ہماری بنیادی ضرورت

اِس سانحے سے بچو!

حضرت انس بن مالکؓ

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

پانچ خوفناک خرابیاں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا: ''اے جماعت مہاجرین! پانچ خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر تم اُن میں مبتلا ہو گئے (تو پھر تمہیں اُن کی سزا مل کر رہے گی) میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ پانچ بری خصلتیں تمہارے اندر پیدا ہوں۔

(1) جب کسی قوم میں بے حیائی اور بدکاری علانیہ ہونے لگے تو اُن میں طاعون اور بعض دیگر ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں، جو اُن کے گزرے ہوئے لوگوں میں نہیں ہوتی تھیں۔

(2) اگر کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنا شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ اُن پر قحط اور خشک سالی مسلط کر دیتا ہے اور وہ ظالم اقتدار کا نشانہ بنتی ہے۔

(3) جب لوگ زکوٰۃ دینے سے ہاتھ کھینچ لیں تو اُن پر آسمان سے پانی برسنا رُک جاتا ہے۔ اگر اُس علاقے میں جانور یا چرند پرند نہ ہوں تو وہ یکسر بارش سے محروم کر دیے جائیں۔

(4) جب کوئی قوم اللہ اور اس کے رسولؐ سے عہد شکنی کرتی ہے تو اُن پر (غیر مسلم) دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے، جو اُن سے بہت کچھ چھین لیتے ہیں۔

(5) اور اگر قوم کے حاکم کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کریں (شریعت کو نافذ نہ کریں) تو اُس معاشرے میں اللہ پھوٹ ڈال دیتا ہے اور وہ آپس میں لڑنے اور کشت وخون کرنے لگتے ہیں۔''

رواہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ارادۂ الٰہی اور تخلیقِ کائنات III

سُوْرَۃُ النَّحل | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیت 40

اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰہُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۴۰﴾

’’ہمارا قول تو کسی چیز کے بارے میں بس یہ ہوتا ہے‘ جب ہم اس کا ارادہ کرتے ہیں کہ ہم فرماتے ہیں اُسے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔‘‘

یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیں کہ عالم خلق اور عالم امر بالکل الگ الگ نہیں ہیں۔ یعنی یوں نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں تک تو عالم خلق ہے اور یہاں سے آگے عالم امر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ دونوں عالم ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط اور باہم گندھے ہوئے ہیں۔ مثلاً اس عالم خلق میں تمام انسانوں کی ارواح موجود ہیں‘ جن کا تعلق عالم امر سے ہے: ﴿وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ﴾ (بنی اسرائیل: ۸۵) یہ آیت واضح کرتی ہے کہ روح کا تعلق عالم امر سے ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ’’حجۃ اللہ البالغۃ‘‘ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کی ارواح کو فرشتوں کے طبقۂ اسفل میں شامل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ یہ نیک ارواح ان فرشتوں کے ساتھ سرگرمِ عمل رہتی ہیں جو اللہ کے احکام کی تعمیل وتنفیذ میں مصروف ہیں۔ اسی طرح فرشتے جو کہ عالم امر کی مخلوق ہیں وہ بھی یہاں عالم خلق میں ہمارے اردگرد موجود ہیں۔ دو دو فرشتے تو ہم میں سے ہر انسان کے ساتھ بطور نگران مقرر کیے گئے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا اجۡتَمَعَ قَوۡمٌ فِیۡ بَیۡتٍ مِنۡ بُیُوۡتِ اللّٰہِ یَتۡلُوۡنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَیَتَدَارَسُوۡنَہٗ بَیۡنَھُمۡ اِلَّا نَزَلَتۡ عَلَیۡھِمُ السَّکِیۡنَۃُ وَغَشِیَتۡھُمُ الرَّحۡمَۃُ وَحَفَّتۡھُمُ الۡمَلَائِکَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیۡمَنۡ عِنۡدَہٗ)) (صحیح مسلم)

’’اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں کچھ لوگ کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے جمع نہیں ہوتے مگر یہ کہ ان کے اوپر سکینت نازل ہوتی ہے‘ اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے‘ فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقربین (ملأ اعلیٰ) میں ان کا ذکر کرتا ہے۔‘‘

اس حدیث کی رو سے محفل ذکر‘ محفل درسِ قرآن میں یقیناً فرشتے موجود ہوتے ہیں۔ وہ عالم امر کی شے ہیں‘ ہم نہ انہیں دیکھ سکتے ہیں نہ ان سے خطاب کر سکتے ہیں۔ اہل ایمان جنات بھی موجود ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ارواح‘ فرشتے اور وحی تینوں کا تعلق اگرچہ عالم امر سے ہے‘ مگر ان کا عمل دخل عالم خلق میں بھی ہے۔ اس طرح عالم خلق اور عالم امر کو بالکل الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔

فرمان نبویؐ

جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھنا

عَنۡ اَبِیۡ سَعِیۡدِنِ الۡخُدۡرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((اِذَا تَثَاوَبَ اَحَدُکُمۡ فَلۡیُمۡسِکۡ بِیَدِہٖ عَلٰی فِیۡہِ فَاِنَّ الشَّیۡطَانَ یَدۡخُلُ)) (رواہ مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جب کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہیے کہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے، کیونکہ اس وقت شیطان چاہتا ہے کہ اندر داخل ہو جائے۔

تشریح: جمائی کو سستی کی علامت ہونے کے سبب ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ چونکہ اس میں شیطانی دخل ہے، لہٰذا تعلیم دی گئی ہے کہ جب جمائی آئے، تو آدمی اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے، اور اس کے بعد استغفراللہ پڑھے۔ چھینک کا معاملہ اِس کے برعکس ہے۔ چھینک کے بعد طبیعت کچھ ہلکی ہو جاتی ہے اور قدرے فرحت محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے اسے پسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جس بات پر اس کا شکر ادا کیا جائے اس میں مزید اضافہ فرماتا ہے۔ اس لیے چھینکنے والے کو الحمدللہ کہنا چاہیے۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان' نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

22 تا 28 شوال المکرم 1435ھ جلد 23
19 تا 25 اگست 2014ء شمارہ 32

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور- 54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36313131
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور- 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا-------------------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحران کا آئینی اور سیاسی حل

کہتے ہیں کہ بے وقوف آدمی بھی وہی کچھ کرتا ہے جو کچھ عقلمند انسان کرتا ہے لیکن بہت خرابی کے بعد۔ ہم ان سطور میں حکمرانوں کو بار بار کہتے رہے کہ وہ تحریک انصاف کے اس مطالبے کو تسلیم کر لے کہ قومی اسمبلی کے چار حلقوں کو کھول دیں۔ ووٹوں کی توثیق کی جائے، دوبارہ گنتی کی جائے، تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو سکے۔ عمران خان چیختا رہا لیکن اس کی اس چیخ وپکار کا مذاق اڑایا گیا۔ مسلم لیگ (ن) کے وزراء اسے دھاندلی خان اور سونامی خان کے نام سے پکارتے رہے اور اس کی اس چیخ وپکار کو کوئی وقعت نہ دی۔ اب وزیر اعظم نواز شریف نیشنل سکیورٹی کونسل میں تمام سیاسی جماعتوں کو اور فوج و آئی ایس آئی کے سربراہ کو سامنے بٹھا کر فرماتے ہیں کہ ہم دس حلقے کھولنے کے لیے تیار ہیں۔ مزید برآں یہ کہ 3 جولائی 2014ء کو عمران خان نے یہ پیشکش کی کہ سپریم کورٹ کا ایک بینچ تشکیل دے دیا جائے جو تحقیق کرے کہ انتخابات میں دھاندلی ہوئی ہے یا نہیں۔ اُس نے کہا کہ میں اس کے لیے حکومت کو 18 جولائی کی ڈیڈ لائن دیتا ہوں، لیکن حکومت نے جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا۔ اب 12 اگست کو طوفان سر پر آ جانے پر نواز شریف نے قوم سے خطاب فرمایا اور سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل ایک کمیشن قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ جبکہ عمران کے آزادی مارچ میں صرف ایک دن تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ صحیح فیصلہ بھی اگر غلط وقت پر کیا جائے تو وہ مثبت نتائج نہیں دیتا۔ پاکستان میں ہی نہیں، دنیا بھر میں جمہوری سیاست اقتدار کی جنگ ہے، جس میں صحیح اور غلط داؤ پیچ کسی کی کامیابی اور کسی کی ناکامی کا باعث بنتے ہیں۔ آج نواز شریف کی حکومت کو جن دشواریوں کا سامنا ہے اس کے ذمہ دار صرف وہ خود اور ان کے قریبی ساتھی ہیں۔ اگر وہ اس بحران سے بچ نکلتے ہیں اور ان کا اقتدار قائم رہ جاتا ہے تو یہ ان پر اللہ کی خاص مہربانی اور عنایت سے ممکن ہے، وگرنہ خود انہوں نے اور ان کے برادرِ خورد نے پنجاب میں جس طرح صورت حال کو ہینڈل کیا ہے اسے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنے کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

اس حوالہ سے ہم قارئین کو چند ماہ پیچھے لے چلتے ہیں۔ مسلم لیگ (ق) اور طاہر القادری کی ایک میٹنگ لندن میں ہوئی جس میں نواز شریف حکومت کو چارج شیٹ کیا گیا اور حکومت کے خلاف جدوجہد کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اس وقت حکومت کو اندرونی سطح پر کوئی مسئلہ نہ تھا۔ راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔ صرف عمران چار حلقوں کے حوالہ سے چیخ رہا تھا۔ لیکن کوئی کان دھرنے کو تیار نہ تھا۔ عوامی سطح پر بھی اسے خاص پذیرائی نہیں مل رہی تھی۔ اس لندن کانفرنس کے آخر میں اعلان کیا گیا کہ طاہر القادری جون کے اواخر میں پاکستان جائیں گے۔ پاکستان میں حالات نارمل تھے۔ انتہائی معتبر اور مستند ذرائع کے مطابق حالات ناموافق دیکھ کر طاہر القادری پاکستان کا دورہ ملتوی کرنے کا ارادہ کر چکے تھے کہ 17 جون کو پنجاب کی حکومت نے یہ آڑ لے کر کہ طاہر القادری کی رہائش گاہ اور منہاج القرآن سیکرٹریٹ کے گرد ناجائز بیریئر لگے ہوئے ہیں' نصف شب کے وقت پوری طاقت کے ساتھ حملہ کر دیا، جس کے نتیجہ میں 14 افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ملک میں طوفان کھڑا ہو گیا۔ طاہر القادری کے بدترین ناقدین نے بھی ان سے اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود اس ظلم کی شدید مذمت کی اور پاکستان عوامی تحریک کے لیے ایک ہمدردی کی لہر پیدا ہو گئی۔ اب طاہر القادری اگر پاکستان نہ آتے تو ان کی لیڈر شپ قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ پیری مریدی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی۔ ان کے مستقبل کا سوال تھا، لہٰذا وہ پاکستان آئے، لیکن ان کے جہاز کا رخ اسلام آباد سے

لاہور کی طرف موڑ دیا گیا۔ حالانکہ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ ابھی وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ حکومت کے لیے اسلام آباد میں فوری طور پر کوئی بڑا مسئلہ کھڑا کر سکتے۔ ماہِ جون میں تحریک انصاف نے پنجاب بھر میں عوام کو متحرک کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ پنجاب میں 4 مقامات پر بڑے بڑے جلسے کر کے سیاسی ماہرین کو حیران کر دیا، کیونکہ جون کی قیامت خیز گرمی میں پنجاب جیسے میدانی علاقے میں بڑے جلسے کرنے کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بہرحال انہوں نے 14 اگست کو لانگ مارچ کرنے کا اعلان کر دیا۔

تحریک انصاف اور طاہر القادری نے رمضان کے دوران اپنی عوامی سیاسی سرگرمیاں معطل رکھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں عوامی سطح پر اس طرح کے پروگرام ممکن ہی نہیں ہوتے۔ لیکن وہ تنظیمی سطح پر اپنے لانگ مارچ کی تیاریوں کو جاری رکھے ہوئے تھے، جبکہ حکومت معاملات کو سنجیدگی سے نہیں لے رہی تھی۔ شاید زمینی حقائق سے بالکل بے خبر اور لاتعلق تھی۔ عید کے بعد طاہر القادری نے انقلاب مارچ کی تاریخ دینے کی بجائے 10 اگست کو یومِ شہداء منانے کا اعلان کر دیا۔ حکومت چونکہ کسی فوری ایونٹ کے لیے تیار نہ تھی، لہٰذا بری طرح بوکھلا گئی اور اس بوکھلاہٹ میں ایسی ایسی حرکات کا ارتکاب کیا کہ بعد ازاں بری طرح پسپا ہوتی چلی گئی۔ 10 اگست کے اس پروگرام کو ناکام بنانے کے لیے لاہور آنے والے تمام راستے تین چار روز پہلے ہی بند کر دیے گئے۔ ماڈل ٹاؤن کا پولیس نے محاصرہ کر لیا۔ منہاج القرآن سیکرٹریٹ میں جو لوگ اکٹھے ہو چکے تھے، ان کا حقہ پانی بند کر دیا گیا۔ لیکن پھر الطاف حسین کی لندن سے دھمکی پر پسپائی اختیار کی اور خورونوش کی اشیاء اندر جانے کی اجازت دے دی۔ طاہر القادری صاحب واویلا کرتے رہے کہ ماڈل ٹاؤن کو غزہ بنا دیا گیا ہے۔ ہمارا سیکرٹریٹ کربلا بن چکا ہے۔ جس سے لوگوں میں ان کے لیے ہمدردی پیدا ہوئی اور حکومت کا نقصان ہوا۔

ہم طاہر القادری صاحب کے حوالہ سے ایک وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمیں ان کے دینی و سیاسی فکر سے شدید اختلاف ہے۔ ایک عالم دین کی حیثیت سے ہم ان کے طرزِ عمل، ان کی گفتگو کے انداز کو نازیبا اور ناشائستہ سمجھتے ہیں۔ ہم ان کے بعض ویڈیوز کو مذہبی نقطہ نظر سے گمراہ کن سمجھتے ہیں۔ ہمیں ان کے فلسفہ انقلاب کا کوئی سر پیر نظر نہیں آتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کا اول و آخر ہدف صرف شریف خاندان ہے اور وہ احسان فراموشی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ لیکن اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حکومت درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی عورتوں کے چہروں پر گولیاں مارے۔ ان کے سفید داڑھیوں والے بوڑھے اور ضعیف لوگوں کو زمین پر گرا کر بے دردی سے لاٹھیاں برسائے اور ایمبولینس میں ڈالے جانے والے زخمی کارکنوں پر لاٹھیاں چلائے۔ یہ غیر اخلاقی، غیر قانونی اور غیر اسلامی ہی نہیں غیر انسانی حرکتیں ہیں۔

بہرحال اب وہ آزادی مارچ اور انقلاب ایک دوسرے کے تعاقب میں اسلام آباد کی طرف رواں دواں ہیں اور وہ اتنے لوگوں کو اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ اسے کامیاب مارچ کہا جا سکے۔ ملین مارچ ہمارے ہاں ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہونا شروع ہو گیا ہے اور ہر چھوٹے بڑے مارچ کو ملین مارچ کہہ دیا جاتا ہے چاہے اس میں چند ہزار لوگ بمشکل شامل ہوں۔ لیکن اگر اسلام آباد میں ایک لاکھ سے زائد لوگوں نے بھی دھرنا دے دیا اور وہ چند دن بیٹھے رہے تو حکومت کے لیے بہت مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ یہ بھی خطرہ ہے کہ سینکڑوں کی تعداد میں وہ ''ریمنڈ ڈیوس'' جنہیں پاکستان پیپلز پارٹی کے دور میں ویزے دیے گئے تھے اور جو اب بھی ملک میں موجود ہیں کوئی انتہائی خطرناک کارروائی نہ کریں۔

ہماری رائے میں اگر عمران خان یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے مطالبات صدفی صد اور حرف بہ حرف تسلیم کیے جائیں تو یہ شدت پسندی ہے اور اگر حکومت سمجھے کہ اُسے اپنی مس ہینڈلنگ اور نااہلی کی کوئی قیمت ادا نہیں کرنا پڑے گی تو وہ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ پھر یہ کہ 2013ء کے انتخابات ہماری تاریخ کے ایسے انتخابات تھے جن سے نہ جیتنے والے مطمئن تھے نہ ہارنے والے۔ دھاندلی کی دہائی سب دے رہے تھے۔ گویا معاملات مشکوک تھے یا بنا دیے گئے تھے۔ لہٰذا کوئی درمیانی راستہ نکالنا ہو گا۔ ایک بات طے شدہ ہے، چند افراد کو چھوڑ کر تمام سیاسی جماعتیں اس بات پر متفق ہیں کہ مارشل لاء نہیں لگنا چاہیے اور مفاہمت کے لیے کوئی آئینی اور قانونی راستہ نکلنا چاہیے۔ کوئی درمیانی راستہ نکالنے کے لیے آئیے پہلے عمران خان کے مطالبات پر نگاہ ڈالیں: (1) نواز شریف فوراً مستعفی ہو جائیں۔ (2) الیکشن کمیشن کے ممبر مستعفی ہو جائیں (3) غیر سیاسی افراد پر مشتمل ایک حکومت قائم کی جائے۔ (4) عبوری حکومت 2013ء کے انتخابات میں دھاندلی کی تحقیقات کے لیے ایک عدالتی کمیشن مقرر کرے اور دھاندلی کے مرتکب افراد کو سزا دی جائے۔ (5) یہ عبوری حکومت نیا الیکشن کمیشن بنائے جو انتخابات کا انعقاد کرے۔ دوسری طرف نواز شریف کسی صورت قبل از وقت الیکشن کرانے کو تیار نہیں۔ ہماری رائے میں عمران نواز شریف کے فوری استعفا کے مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں۔ البتہ ایک معاہدے کے تحت اس مرتبہ اسمبلی کی مدت نصف کر دی جائے یعنی 2015ء کے آخر تک یہ پارلیمنٹ کام کرے۔ مارچ 2016ء میں انتخاب کروا دیے جائیں۔ اُس وقت تک الیکشن کمیشن کے ارکان کی مدت پوری ہو چکی ہو گی۔ لیکن جس ممبر کی مدت پوری نہ ہو وہ استعفا دے دے۔ غیر سیاسی عبوری حکومت کا مطالبہ تسلیم کر لیا جائے، لیکن اس میں دونوں جماعتوں یعنی مسلم لیگ (ن) اور تحریک انصاف سے مشورہ ہو۔ اس مرتبہ الیکشن میں بائیومیٹرک ووٹنگ کے نظام کو استعمال کیا جائے۔ ہر پولنگ سٹیشن پر ایک فوجی افسر متعین ہو، پولنگ اسٹیشن کی تعداد چونکہ بہت زیادہ ہو گی لہٰذا اتنی تعداد میں فوجی افسران کی فراہمی مشکل ہو جائے گی اس کا حل یہ ہے کہ ایک دن کی بجائے ایک ہفتہ میں انتخابات مکمل کیے جائیں یعنی انتخابات مرحلہ وار کروائے جائیں، تاکہ یہ کام آسانی اور سہولت سے ہو سکے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان اقدامات سے آئین کے تقاضے بھی پورے ہو جائیں گے اور یہ بحران بھی ٹل جائے گا۔ واللہ اعلم!

شہادت کا اساسی مفہوم

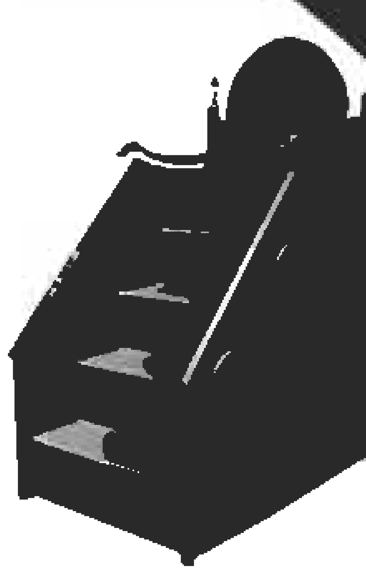

قرآن حکیم کی روشنی میں

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے ایک خطاب جمعہ سے ماخوذ

قرآن مجید میں جو فلسفہ شہادت بیان ہوا ہے وہ کیا ہے؟ دیکھئے لفظ شہادت کا مادہ ہے۔ ش، ہ، د، شَہِدَ، یَشْہَدُ جس کے معنی ہیں موجود ہونا۔ شاہد کا متضاد غائب ہے۔ شاہد وہ ہے جو موجود ہے اور غائب وہ ہے جو موجود نہیں ہے۔ اس معانی کے باعث لفظ شَہِدَ کے اندر دو اضافی مفہوم شامل ہو گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی حادثہ ہوا ہے، کوئی وقوعہ یا قتل ہوا ہے، تو جو لوگ وہاں موجود ہوتے ہیں وہی اصل میں شاہد یعنی گواہ ہوتے ہیں۔ بنیاد وہی ہے موجودگی جس کی بنا پر وہ گواہی دیتے ہیں۔ شہادت کا ایک مفہوم گواہی ہو گیا۔

شہادت کا ایک اور اضافی مفہوم یہ ہے کہ آپ کا کوئی انتہائی قریبی دوست ہو، آپ کا دلی ہمدرد ہو، لیکن کسی وقت آپ پر کوئی حملہ ہو اور وہ وہاں موجود نہ ہو تو آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔ گویا کہ مدد کے لئے موجودگی بھی ضروری ہے۔ اس اعتبار سے لفظ شہادت امداد کے لئے بھی عربی زبان میں اور قرآن میں مستعمل ہے۔ شہید وہ شخص ہے جو آپ کا مددگار ہو۔ یہ دوسرے معنی زیادہ تر لوگوں کے علم میں نہیں۔ لیکن اس کے لئے قرآن مجید کی دو آیتیں ملاحظہ کیجئے، جن میں یہ لفظ مددگار کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًاؕ﴾ (الفتح:28)

’’وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر، تا کہ وہ غالب کر دیں دین کو تمام نظاموں پر اور اللہ کافی ہے بطور مددگار۔‘‘

اور انہی معنوں میں یہ لفظ سورۃ البقرہ میں بھی آیا ہے:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (البقرہ:23)

’’اگر تمہیں واقعتاً کوئی شک ہے، اس چیز کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے (یہ قرآن حکیم) تو تم اس قرآن کی سورتوں جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ۔ اور بلا لو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو، اگر تم سچے ہو۔‘‘

یہ دو مقامات ایسے ہیں جن میں ’’شہید‘‘ کے معنی مددگار کے آئے ہیں۔ لیکن قرآن کا جو فلسفہ شہادت ہے، اُس میں درحقیقت شہید یا شاہد کے معنی گواہ کے ہیں۔

مرتب: ابو اکرام

چنانچہ ہر رسول اللہ کا گواہ بن کر آیا۔ جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں حضور ﷺ کے بارے میں آیا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا﴾ (آیت:45)

’’اے نبیؐ! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔‘‘

یعنی آپؐ اللہ کی توحید کی گواہی دیتے ہیں، اللہ کے دین کی گواہی دیتے ہیں۔ اور یہ گواہی آپؐ اپنے قول سے بھی دیتے ہیں اور اپنے عمل سے بھی۔

چونکہ نبی اکرم ﷺ آخری نبی ہیں، آپؐ پر نبوت ختم ہو گئی، لہٰذا آپؐ کے وصال کے بعد شہادت کی یہ ذمہ داری اب آپ ﷺ کی امت کو منتقل ہو گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے نبوت و رسالت کا دروازہ تو بند کر دیا لیکن ابھی نوع انسانی تو ختم نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا انسانیت کی اصلاح کے لئے اللہ نے یہ انتظام فرمایا کہ قولی و عملی شہادت کا یہ عمل آپؐ کی امت کے ذریعے سے جاری رہے گا۔ یعنی امت کے ذمے اب کام وہی ہے جو رسول کے ذمے تھا، چنانچہ امتیوں نے حضور ﷺ کی زندگی کے دوران بھی وہ کام کیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے بعد یہ نہیں ہوا کہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے ہوں، بلکہ وہ کارِ رسالت کی ادائی میں حضور ﷺ کے مددگار اور معاون ہو گئے۔ چنانچہ عشرہ مبشرہ کے جو چوٹی کے دس صحابہؓ ہیں ان میں سے چھ وہ ہیں جو حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ سے ایمان لائے۔ اس اعتبار سے جو بھی آپؐ کے امتی تھے انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے زمانے میں بھی کارِ رسالت میں تعاون کیا۔ اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد تو گویا فرضِ منصبی اُمت ہی کے حوالے ہو گیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں امت کے لئے بھی اس کام کے حوالے سے اصطلاح وہی شہادت کی آئی:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا﴾ (البقرہ:143)

’’اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا، تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماںؐ) تم پر گواہ بنیں۔‘‘

لفظ ’’امت‘‘ دو معنی میں آتا ہے۔ ایک ہے امت

اجابت۔ یعنی وہ لوگ جو حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔ ایک امت دعوت ہے۔ اِس میں آپؐ کی بعثت کے بعد پوری نوعِ انسانی شامل ہے۔ گویا ایک طرف حضور ﷺ کی ذات مبارک ہے اور ایک طرف امت دعوت ہے، جس میں قیامت تک آنے والے دنیا کے تمام انسان شامل ہیں۔ دونوں کے درمیان لنک امت مسلمہ (اُمتِ محمدیہ ﷺ) ہے۔ یعنی اے امت مسلمہ تم درمیانی کڑی ہو، اللہ کے رسول اور تمام انسانوں کے درمیان، تاکہ رسول ﷺ گواہی دیں تمہارے خلاف (یہ بات میں واضح کروں گا کہ خلاف کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے) اور تم گواہی دے سکو پوری نوعِ انسانی کے خلاف۔ یہ اصل میں شہادت کا تیسرا پہلو ہے جو قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔ نبی اپنی دعوت اور تبلیغ کے ذریعے اپنی قوم یا اُمت پر اتمام حجت کر دیتا ہے۔ اُس کی امت جب قیامت کے دن پیش ہوگی، تو اگر اُس نے رسول کی دعوت نہ مانی تو رسول اس کے خلاف گواہ کی حیثیت سے کھڑا ہوگا کہ اے اللہ میں نے تیرا پیغام ان تک پہنچا دیا تھا۔ انہوں نے نہیں مانا یا عمل نہیں کیا تو اب اپنے کیے کے یہ خود ذمہ دار ہیں۔ وہاں امت یہ نہیں کہہ سکے گی کہ ہمیں معلوم نہیں تھا۔ یہ ہے قرآن کا فلسفہ شہادت۔

بہرحال یہ جان لیجیے کہ شہادت یا گواہی حق میں بھی ہوتی ہے اور خلاف بھی۔ ہمارے ہاں مقدموں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی گواہ کسی کے حق میں گواہی دے رہا ہے تو وہ کسی کے خلاف بھی جا رہی ہوتی ہے۔ اگر مدعی کے حق میں گواہی دے تو وہ مدعا علیہ کے خلاف گواہی ہوتی ہے اور دوسری طرف سے اگر مدعا علیہ کا گواہ ہے جو اس کے حق میں گواہی دے رہا ہے تو وہ مدعی کے خلاف جا رہی ہوتی ہے۔ گواہی یقیناً دو طرفہ شے ہے۔ یعنی کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف ہے۔ عربی میں قاعدہ ہے کہ گواہی جب حق میں ہوگی تو لفظ شہادت کے ساتھ لام کا صلہ آئے گا۔ اسی لئے کہا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ (النساء:135)

’’اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بن کر کھڑے ہو جاؤ انصاف کے ساتھ۔‘‘

اسی طرح اگر گواہی کسی کے خلاف ہو تو عربی زبان میں لفظ شہادت کے ساتھ ’’علیٰ‘‘ استعمال ہوگا جیسے کہا گیا ہے: القرآن حجة لك او عليك: یہ قرآن دلیل و حجت بنے گا، یا تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف۔ اگر تم اسے پڑھتے رہے، سمجھتے رہے، اس پر غور و فکر کرتے رہے، اس پر عمل کرتے رہے، اس کی تبلیغ کرتے رہے تو یہ تمہارے حق میں گواہی دے گا۔ کہے گا اے اللہ تیرے فلاں بندے نے میرا حق ادا کیا، مجھے پڑھا، مجھے سمجھا، میری تلاوت کی، مجھ پر غور کیا، مجھ پر عمل کیا اور پھر مجھے دوسروں تک پہنچایا۔ تو یہ قرآن آدمی کے حق میں حجت ہوگیا۔ بصورت دیگر قرآن آدمی کے خلاف کھڑا ہو جائے گا۔ اُس شخص کے خلاف جو اس کا حق ادا نہ کرے گا۔ کہے گا کہ اے اللہ یہ کہنے کو تو مجھے مانتا تھا لیکن اس نے مجھے پڑھا نہیں، سمجھا نہیں، غور نہیں کیا، مجھ پر عمل نہیں کیا اور مجھے دوسروں تک پہنچایا نہیں۔ تو قرآن کی یہ گواہی آدمی کے خلاف ہوگئی۔ اسی طرح جب رسول گواہی دے گا تو وہ اللہ کے حق میں ہوگی اور لوگوں کے خلاف پڑے گی۔ یہ ہے لفظ شہادت کا وہ مفہوم جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔

اب آیئے، اس طرف کہ ہم مقتول فی سبیل اللہ کے لیے لفظ شہادت یا شہید کیوں استعمال کرتے ہیں۔

پریس ریلیز 15 اگست 2014

ہم پر اپنے کرتوتوں کی وجہ سے بھوک اور خوف کا عذاب مسلط ہو چکا ہے

پاکستان کے سیاست دان ہوش کے ناخن لیں، اللہ سے نفاذ اسلام کا وعدہ پورا کر کے پاکستان کو تباہی و بربادی سے بچائیں

حافظ عاکف سعید

ہم پر اپنے کرتوتوں کی وجہ سے بھوک اور خوف کا عذاب مسلط ہو چکا ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان آنے والی تمام اقوام اور مذاہب ہندوؤں میں ضم ہوگئیں، لیکن مسلمان ہندوستان میں اپنا الگ تشخص قائم رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ اگرچہ شدھی کی تحریک کے ذریعے مسلمانوں کو ہندوازم کا راستہ دکھانے کی بھرپور کوشش کی گئی لیکن علمائے کرام خصوصاً مولانا الیاسؒ نے بڑی حکمت کے ساتھ اس تحریک کو ناکام بنا دیا اور ہندو مسلمانوں کو اپنے اندر ضم نہ کر سکے۔ مسلم لیگ نے ’’پاکستان کا مطلب؟ کیا لا الٰہ الا اللہ‘‘ کا نعرہ لگا کر الگ ریاست کا مطالبہ کیا۔ زمینی حقائق کے مطابق کوئی امکان نہ تھا کہ ہندو اور انگریز کی مخالفت میں پاکستان معرض وجود میں آتا، لیکن برصغیر کے مسلمانوں کی غیبی امداد ہوئی اور پاکستان بن گیا۔ امیر تنظیم اسلامی نے اس امر پہ افسوس کا اظہار کیا کہ ہم نے پاکستان کو حصول منزل کا ذریعہ بنانے کی بجائے منزل سمجھ لیا اور لوٹ مار کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہم اللہ اور رسول ﷺ سے کیے گئے نفاذ اسلام کے وعدہ سے منحرف ہوگئے، تو اللہ نے بھی ہم سے رخ پھیر لیا۔ آج حالت یہ ہے کہ ہم دنیا میں ذلیل و رسوا ہو چکے ہیں اور ہماری سلامتی پر ایک بڑا سوالیہ نشان لگ چکا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر اقتدار کی حالیہ کشمکش میں مارشل لا لگا تو یہ خدانخواستہ پاکستان کا آخری مارشل لا ہوگا۔ اُنہوں نے کہا کہ پاکستان کے سیاست دان ہوش کے ناخن لیں۔ اللہ سے اپنا وعدہ پورا کر کے پاکستان کو تباہی و بربادی سے بچائیں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشرو اشاعت تنظیم اسلامی)

حالانکہ قرآن مجید میں اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والے کے لئے کہیں بھی لفظ شہید نہیں آیا۔ صرف ایک مقام پر امکان ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ کے لئے شہید آیا ہو۔ جب غزوۂ احد میں ستر صحابہؓ شہید ہوئے تو فرمایا گیا:

﴿يَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ﴾ (آل عمران:140)

''اللہ چاہتا تھا کہ تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید بنادے۔''

تاہم یہاں بھی مفہوم یہی ہے کہ اللہ چاہتا تھا کہ انہیں اپنا گواہ بنالے۔ کیونکہ قرآن میں اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کے لئے مقتول ہی کا لفظ آیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ﴾ (البقرہ: 154)

''مت سمجھنا کہ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے وہ مر گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔''

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کے لئے شہید ہو جانے کا لفظ یہاں نہیں آیا۔ بالکل یہی مضمون سورۂ آل عمران میں آیا: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا﴾ (آل عمران:169) ''اور ہرگز مت سمجھنا (یہ بہت تاکیدی انداز ہے) ان کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں''۔ ﴿بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (آل عمران:169) ''وہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں''۔ اسی طرح حدیث میں بھی اللہ کی راہ میں جان دینے کے لئے شہادت کا لفظ نہیں آیا۔ مثلاً وہ حدیث کہ حضور ﷺ نے جب اظہار فرمایا ہے کہ میری بڑی تمنا ہے اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو وہاں بھی لفظ شہید نہیں آیا:

''میری بڑی خواہش ہے میں اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔''

ہم دراصل مقتول فی سبیل اللہ کے لئے شہادت کے لفظ کو اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ حدیث میں ایک لفظ بڑی کثرت سے استعمال ہوا ہے: استشهد: یعنی ''اس کی شہادت (گواہی) قبول کر لی گئی''۔ گویا کہ جو رسول کے امتی ہونے کی حیثیت سے پیغام الٰہی کے ابلاغ کی اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے جان دے دے، وہ اللہ کا گواہ بن گیا۔ اس معنی میں لفظ شہید مقتول فی سبیل اللہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ میں نے ابتداء میں کہا تھا مقتول فی سبیل اللہ کے لفظ کا شہید سے ایک لطیف اور گہرا تعلق ہے لیکن قرآن کا فلسفۂ شہادت کچھ اور ہے۔ اور یہ شہادت کا لفظ جو حدیث میں آیا ہے۔ (استشهد) کہ اس کی شہادت قبول کر لی گئی۔ گویا کہ وہ جو گواہی دے رہا تھا اللہ کے دین کی، توحید کی، اللہ کے نبی کی رسالت کی، اللہ کے قرآن کی حقانیت، اس نے وہ گواہی آخری حد تک دے دی کہ اپنی جان بھی اللہ کی راہ میں اس کام کے لئے قربان کر دی۔ یہ گواہی کا آخری اور اتمامی درجہ ہے۔

قرآن کے فلسفۂ شہادت کے اعتبار سے ہر نبی شہید تھا، ہر رسول شہید تھا یعنی وہ اللہ کے دین کا گواہ تھا۔ لہٰذا ہم میں سے ہر شخص شہید بن سکتا ہے، بایں معانی کہ اپنے عمل سے، اپنے قول سے اسلام کی گواہی دے، دین کی گواہی دے، توحید کی گواہی دے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم منظم طور پر اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے جدوجہد کریں، تاکہ پورے عالم انسانیت پر حجت قائم ہو جائے کہ آؤ دیکھو یہ ہے اسلام، تم کن مغالطوں میں مبتلا ہو، تمہیں بڑی غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ اصل اسلام یہ ہے، اس کی برکتیں دیکھو، اس میں کیسی آزادیاں ہیں، اس میں کتنی مساوات ہیں، اس میں کتنا انصاف ہے، کتنا عدل ہے۔ اس میں کس طرح کی کفالت عامہ، سوشل سیکورٹی کا اہتمام ہے۔ آگے دیکھو، اسلام میں کتنی محبت ہے، کتنی اخوت ہے، اگر ہم نے یہ کر دیا تو پوری دنیا پر اجتماعی شہادت ہو جائے گی، گواہی ہو جائے گی اور آخرت میں اللہ کی نگاہ میں شہید ہوں گے۔ اور اگر اس جدوجہد میں کہیں جان چلی جائے تو پھر گویا ہم دنیاوی اعتبار سے بھی شہید کے خطاب یا لقب کے حقدار ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆☆

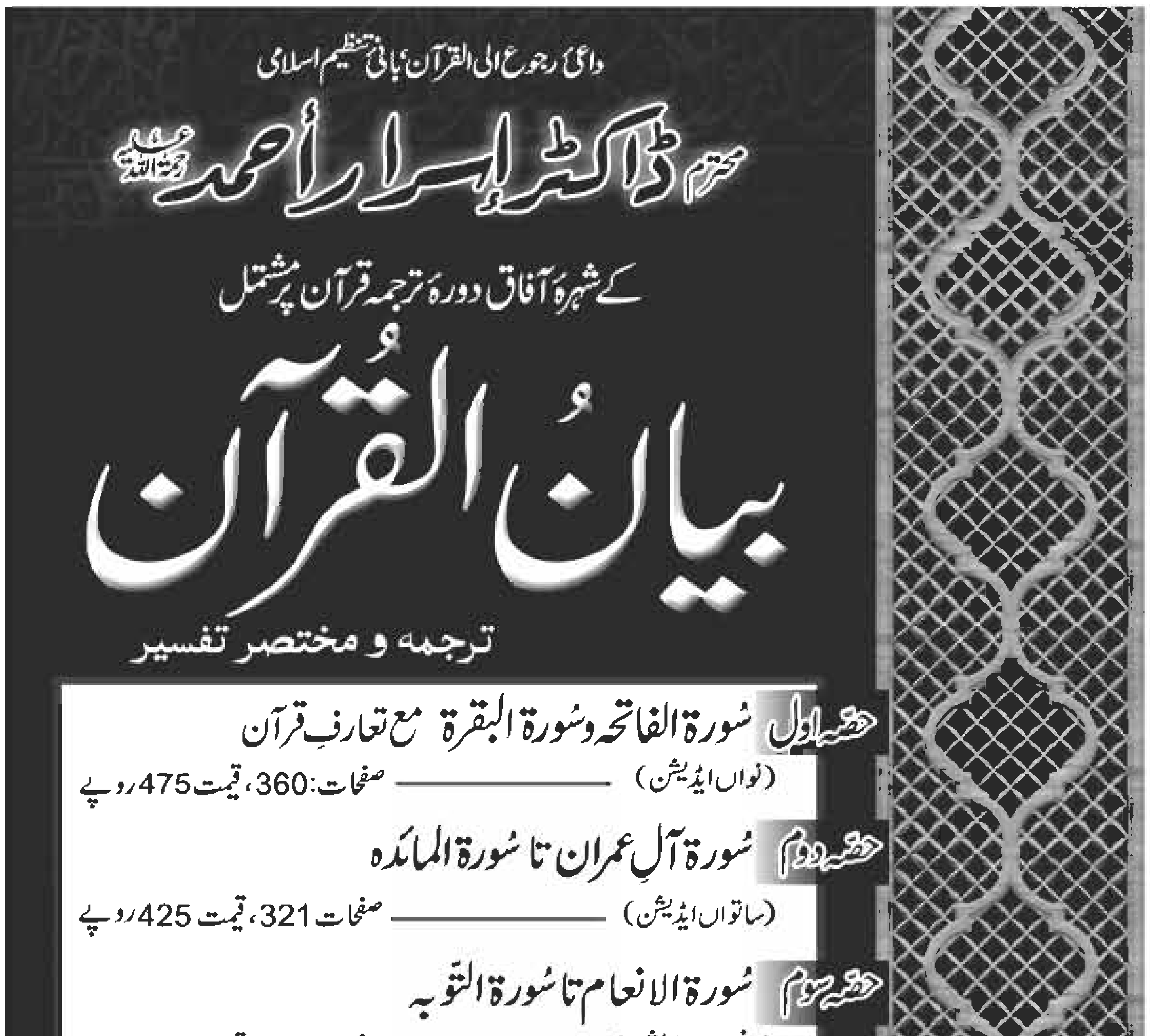

دیکھے نہ تری آنکھ نے......

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

جمہوریت ایک مرتبہ پھر پاکستان میں لرزہ براندام ہے۔ پاکستانی جمہوریت نے تو یوں بھی ہمیشہ فوجی بوٹ پہنے ہوتے ہیں۔ بوٹ بدلنے کی کوشش کی جائے تو وہ یا سر پر برسنے لگتے ہیں یا ہار بنا کر گلے میں ڈال کر جمہوریت ملک بدر کر دی جاتی ہے۔ بوٹوں کے اوپر فوجی وردی سمیت پرویز آن وارد ہوتے ہیں۔ مسلم ممالک میں جمہوریت کا یہی ماڈل رائج کیا گیا ہے۔ انڈونیشیا میں انتخابات ہوئے۔ ریٹائرڈ جرنیل صاحب ہار گئے، لہٰذا دھاندلی قرار پائی۔ بھلا کبھی جرنیل بھی ہار سکتا ہے؟ انوار السادات‘ حسنی مبارک یاد نہیں؟ مصر میں جمہوریت پر السیسی چھوڑ دیا گیا۔ جمہوریت کو خون سے نہلایا‘ بلڈوزروں سے کچلا اور اہل جمہوریت کو زندان خانوں میں ٹھونس دیا۔ حماس پر محمود عباس نے یلغار کر دی تھی۔ یوں بھی وہ تو براہِ راست اسرائیلی جیٹ طیاروں‘ ٹینکوں میں گھری قدم قدم موت کا ذائقہ چکھتی جمہوریت ہے۔ ترکی میں اردگان کو گولن سے گھیرا گیا۔ پاکستان میں جمہوریت نے منحنی سی آزادی کی جھلک دکھانا چاہی تو امریکہ‘ کینیڈا‘ برطانیہ نے طاہر القادری اور عمران خان کو جمہوریت کا کلیجہ چبا ڈالنے کا حکم دے دیا۔ ادھر افغانستان میں جمہوریت الجھ گئی تو کٹھ پتلی ڈوریوں کو سلجھانے جان کیری تشریف لے آئے۔ سو بالآخر ڈوریاں سلجھ گئیں اور دونوں امیدوار عبداللہ عبداللہ اور اشرف غنی مل کر کھانے پر رضامند ہو گئے اور مخلوط حکومت کا اعلان ہو گیا۔ تاہم ہمارے عمران خان منہ موڑے بیٹھے تھے۔ انہیں قادری کے ساتھ مخلوط ہونے پر راضی کرنے عمران خان کو یہاں تک لانے والے شجاع پاشا تشریف لے آئے۔ کمال تو یہ ہے کہ حکومت نہ جانے کس زعم میں 245 کا استعمال اسلام آباد میں کر کے ہاتھ بندھوا چکی۔ اب دیگر بڑے شہروں میں بھی اسی طرح فوج بلانے کے ارادے کا اظہار کر رہی ہے۔ یہ مہمان آئے گا آپ کی دعوت پر، تاہم واپس جانے کی کوئی گارنٹی‘ مدت‘ میعاد نہیں۔

یہ واضح ہے کہ جب تک السیسی نما حکمرانی قائم نہ ہوئی، جمہوریت کے پیٹ میں اسی طرح مروڑ پڑتے رہیں گے۔ قے کرتی رہے گی۔ آپریشن ہوتے رہیں گے۔ انقلاب مسلط کرنے والے درآمد کیے جائیں گے۔ عمران خان صاحب اپنے اُدھڑے‘ اُجڑے تباہ حال صوبے سے منہ موڑے وردی سینے والے درزی کے ہاتھوں سلی وزارت عظمیٰ کی شیروانی زیب تن کرنے کے شوق میں خود سے بے خود ہوئے جا رہے ہیں۔ ڈرون حملے اب بھی جاری ہیں۔ بنوں کی سڑکیں ان کے بے گھر عوام کے آنسوؤں سے تر ہیں۔ خان صاحب اب 2014ء ماڈل ہیں۔ ووٹ کی جگہ بوٹ کے راستے اقتدار ہاتھ میں آ جائے تو عوام کو کیوں پوچھا جائے؟ شنید ہے کہ انہوں نے عوام کے نام خط لکھا ہے۔ ’آؤ ثابت کریں ہم کسی کے غلام نہیں‘۔ تاہم یہ بھی طرفہ تماشا ہے کہ پیچھے سے جھانکتے پاشا صاحب (شفقت محمود کے ہاں عمران خان کے ساتھ طویل مشاورت۔ نئی بات‘ 7 اگست) غلامی کی اس لکیر کی نشاندہی کر رہے ہیں جو اسلام آباد سے چل کر واشنگٹن تک جاتی ہے!

14 اگست جو یادش بخیر یوم آزادی کہلاتا تھا، 2001ء کے بعد ہم نے دھوم دھام سے منانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ آزادی کی موجودہ اوقات سے واقف تھے کیا مناتے! یوں بھی یہ یوم عہد شکنی بن چکا، لا الٰہ الا اللہ کا وعدہ توڑنے کے ببانگ دہل اعلان واقرار کے بعد سے۔ روشن خیالی کا بھبھوت ملے، نیا پاکستان سیکولر قوتوں اور امریکی پنجوں میں جکڑا ہوا ہے۔ سیکولرازم بل بورڈز پر چڑھی‘ ریمپ پر مٹکتی‘ 78 چینلوں پر ٹھمکے لگاتی اقبال و جناح کے پاکستان کے رگ پٹھے مفلوج کیے ہوئے ہے۔ بھیانک عہد شکنیوں کے بعد مسلم کش امریکہ و مغرب کا غلام ہوا پاکستان جس حشر سے دوچار ہے، معاشی مفلوک الحالی‘ خانہ جنگی‘ سیاسی ابتری‘ عدم استحکام اس کی وجہ واضح ہے۔ نبی الصادق ﷺ کا فرمان ہے: جس قوم کے اربابِ اقتدار قرآن کے خلاف فیصلہ کریں گے (امریکہ‘ نیٹو اتحاد‘ مسلم کشی کے لیے نیٹو (کفر) کو سپلائیز) احکامِ خداوندی میں اپنا اختیار و انتخاب جاری کریں گے‘ وہ خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے۔ (ابن ماجہ) اور یہ کہ: ”قرآن ایک سنجیدہ اور فیصلہ کن کلام ہے‘ کوئی مذاق کی چیز نہیں ہے۔ جو کوئی ظالم و جبار شخص اس قرآن کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو کچل کر رکھ دے گا اور جس نے اسے چھوڑ کر کسی اور جگہ سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی، اللہ اسے گمراہ کر دے گا“۔ (ترمذی)

اقتدار کی کشمکش میں ضائع ہوتے اربوں کے وسائل دیکھئے اور اقوام متحدہ کی انسانی ترقی سے متعلق تازہ رپورٹ ملاحظہ ہو: ’پاکستان نے انسانی وسائل کی ترقی پر توجہ نہیں دی۔ پاکستان صحت‘ تعلیم‘ کم آمدنی کے اعتبار سے خطے کا غریب ترین ملک بن گیا ہے‘۔ اقوام متحدہ کی غلط فہمی دور ہو جائے اگر وہ ’انسان‘ کا مطلب سمجھتا ہو۔ ترقی دیکھنے کے لیے اسے غربت کے کالے سمندروں میں تیرتے بے وقعت ٹرّاتے مینڈکوں‘ کیچوؤں کی بجائے ترقی کے دمکتے جزیرے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ انسان وہاں بستے ہیں۔ حکمرانوں‘ سیاست دانوں‘ جرنیلوں‘ بیوروکریٹس کے محلات‘ فارم ہاؤسز‘ ڈی ایچ اے‘ بحریہ کے مغرب کو شرما دینے والے علاقے۔ بھارت جیسی ٹٹ پونجیا سپر پاور کی دہلی میں سڑکوں پر مسکین گاڑیوں پر گھومتے صاحبانِ اقتدار اور ادھر ہماری سڑکوں پر دمکتی گاڑیوں کی قطاریں۔ تاہم بھوکے پیٹ ننگے پیر بھی ہوں تو ہمارے عوام کو مفت لیپ ٹاپ‘ موبائل اور پولیو ڈراپ بوتلیں بھر بھر کر پینے کی جو سہولت ہے، وہ اقوام متحدہ نے نہیں دیکھی۔ سری لنکا کو ترقی یافتہ ممالک میں شامل کر کے ہمیں غریب کہہ کر ہماری توہین کی گئی ہے۔

غزہ کو جا بجا مسمار کر کے‘ ننھی قبروں سے گورستان بھر کر اب یہودی مسجد اقصیٰ کا تقدس پامال کر رہے ہیں۔ پاکستان کے مایہ ناز ہوابازوں نے جا بجا جھنڈے گاڑے ہیں، شاہینی کے۔ کیا ہم غزہ کی‘ اقصیٰ کی حفاظت کا خواب دیکھ سکتے ہیں؟ عالمی سرحدوں کی بات نہ کیجیے گا۔ اگر ڈرون سینکڑوں بار ہماری سرحد توڑ سکتا ہے اور اب قبائلی عالم‘ امن جرگے کے شمالی وزیرستان کے رکن کی سرحد شکنی کی دہائی موجود ہے۔ ہمارے جہازوں نے وزیرستان کی سرحد پار خوست میں بمباری کر کے حافظ نور اللہ شاہ کے مطابق غرلمائی میں پناہ گزیں ان کی بہن‘ بہنوئی‘ تین بھانجیوں‘ پانچ بھانجوں اور ان کی دادی کو جان بحق کر ڈالا ہے تو پھر چند قدم اور آگے کیوں نہیں؟ (حکومت اور طالبان کے مابین امن قائم کرنے کے لیے کوشاں نور اللہ شاہ نے یہ تفصیل بیان کی ہے (دی نیوز: 6 اگست) اگر یہ ممکن ہے تو غزہ پر خون کی ہولی کھیلنے والوں کے لیے ظلم کے ہاتھ توڑنا کس کے ذمے ہے؟ کیا ہم امت مسلمہ کا اثاثہ نہیں ہیں؟ سوال مشکل ہے!

افسوس‘ صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات!

مگر ہم کم ہی شکر ادا کرتے ہیں

محمد سمیع

ہجری تقویم پر نظر ڈالیں تو ہمیں ایسے مقامات نظر آئیں گے کہ اگر جن پر غور کیا جائے اور اگر ہمیں دین کے تقاضوں کا شعور حاصل ہو تو ہم ان تقاضوں کی تکمیل کے لئے فضا ہموار پائیں گے۔ لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم وقتی طور پر تو متاثر ضرور ہوتے ہیں مگر قرآن وسنت سے بیگانگی کے نتیجے میں دین کا جامع تصور ذہن میں نہ ہونے کی بنا پر مستقل طور پر ان تقاضوں پر عمل کر نہیں پاتے۔ آیئے، ہم اسلامی کیلنڈر پر نظر ڈالتے ہیں۔

اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہے جس کا آغاز ہی یوم شہادت عمر فاروق ؓ سے ہوتا ہے، جن کے تدبر اور انتظامی صلاحیتوں کی آج بھی دنیا معترف ہے، لیکن ان کا اپنا حال یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ مجھے جو عزت ملی ہے وہ اسلام سے ملی ہے لیکن آج ہم عزت نیو ورلڈ آرڈر کے علمبرداروں کی قربت میں تلاش کرتے ہیں اور اس مہینے میں ہم شہادت حسین ؓ کی یادگار مناتے ہیں، جس سے ہمیں یہ پیغام ملتا ہے کہ نظام خلافت کی عمارت کی صرف اوپری منزل یعنی اس کے سیاسی نظام میں دراڑ پڑتی ہوئی محسوس ہوئی تو سیدنا امام حسین ؓ اس کے خلاف سینہ سپر ہوگئے اور اپنے اہل وعیال سمیت اپنے وفاداروں کی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے تاریخ اسلام میں امر ہوگئے۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ نہ صرف پوری دنیا میں بلکہ مسلم ممالک میں بھی دین مغلوبی کی حالت میں پڑا ہوا ہے لیکن اسلامی احیائی تحریکوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود مسلمان عوام کو اس بات پر آمادہ نہ کیا جاسکا کہ اقامت دین کے اہم فریضے کی ادائی کو اپنی اولین ترجیح بنالیں۔ کہاں یہ حال کہ دین جب قائم تھا تو اس کو قائم رکھنے کے لئے وہ عظیم ترین قربانی پیش کی گئی، کہاں یہ حال کہ تمام دنیا میں اسلام مغلوب لیکن ہمارے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔ ''خانہ خالی را دیو می گیرد'' کے مصداق اس وادی کرب وبلا کے خطے میں داعش کے پلیٹ فارم سے جو سرگرمیاں جاری ہیں اور اسلام کے نام بننے والی مسلم مملکت میں طالبان پاکستان کی سرگرمیوں کے نتیجے میں دین دشمن (چاہے وہ اندرونی ہوں یا بیرونی)، عوام میں اسلامی نظام کے حوالے سے مغالطے پیدا کر رہے ہیں، اور نیو ورلڈ آرڈر سے مرعوب مسلمان چاہے وہ اسلامی ذہن رکھتے ہوں، جمہوریت کی زلف گرہ گیر کے اسیر بن کر اسے اپنے ہر درد کی دوا سمجھنے پر مجبور ہیں۔

اب آتے ہیں ربیع الاول کے مہینے کی طرف۔ اس مہینے میں ہم پورے عالم اسلام میں عید میلاد النبیؐ کا جشن مناتے ہیں، لیکن جن سرفروشان دین کے ذریعے دنیا کے وسیع رقبے میں دین کا جھنڈا بلند ہوا، ان کے کردار کا عشر عشیر بھی ہماری انفرادی زندگی میں نظر نہیں آتا۔ دنیا کی اس عظیم ترین ہستی کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے و رفعنا لک ذکرک کی سند عطا فرمائی۔ ہم آپؐ کے امتی ہونے پر بجا طور پر فخر کرتے ہیں مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ عملی طور پر اسلام سے دور ہیں۔ اقوام عالم اسلام کا تصور دہشت گردی کے دین کے طور پر ساری دنیا میں پھیلانے میں سرگرم عمل ہیں۔ یہ ہمارے ذہن نشین رہنا چاہئے کہ ہر افواہ کے پیچھے کچھ نہ کچھ بنیاد ضرور ہوتی ہے اور اس پروپیگنڈے کے پیچھے بھی ہماری اسلام کو بدنام کرنے کی کوششیں شامل ہیں۔ ہمارے جرم ضعیفی کا یہ حال ہے کہ غزہ میں عورتوں اور بچوں سمیت ہزاروں فلسطینی اسرائیلی جارحیت کے نتیجے میں اپنی جانیں جان آفرین کے سپرد کرچکے ہیں لیکن پورے عالم اسلام پر سکوت مرگ طاری ہے۔ بے حسی کا یہ عالم ہے کہ مسلم قائدین اس ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کے بھی روادار نہ ہوئے۔

آیئے، آگے بڑھتے ہیں۔ ربیع الاول کے مہینے میں ہم جشن عید میلاد النبی ﷺ پورے جوش وجذبہ کے ساتھ مناتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اگر امت کے اتحاد کو اللہ کی رسی کے ساتھ یعنی خود قرآن کے ساتھ جڑنے کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے تو دوسری جانب حضور ﷺ کے اسوہ کو امت کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ ہم جب اس مہینے میں حضور ﷺ کے ساتھ عشق کے بلند دعوے سیرت کے جلسے، جلوسوں، سیمیناروں اور کانفرنسوں کے ذریعے کرتے ہیں تو اس وقت ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم اس اسوۂ حسنہ کی کس حد تک پیروی کرتے ہیں۔

آج امت مسلمہ نام کی کسی شے کا دنیا میں عملی طور پر کوئی وجود نہیں۔ ہم قوموں اور قومیتوں میں بٹ گئے ہیں اور یہ تقسیم بھی تقسیم در تقسیم کا شکار ہو کر مذہبی، علاقائی، لسانی حتیٰ کہ مذہبی گروہوں کی شکل میں سامنے آچکی ہے۔ اور کیوں نہ ہو، ہم نے اتحاد کی مضبوط ترین بنیاد قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ تبلیغی جماعتوں نے تو قرآن کریم کو تبلیغ بدر کر رکھا ہے اور علماء کرام کا حال یہ ہے کہ وہ کو خود تو قرآن کریم کے پیغام کو لوگوں تک عام کرنے میں اپنا کوئی کردار ادا نہیں کر رہے ہیں اور یہ تاثر پھیلانے میں بھی مصروف ہیں کہ کوئی قرآن کو خود سمجھنے کی کوشش نہ کرے، کیونکہ اس سے ان کے گمراہ ہونے کا خدشہ ہے۔ وہ قرآن کریم جو عالم انسانیت کی رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا تھا اور جس کی رہنمائی میں عالم انسانیت اسلام میں داخل ہو رہی ہے، اس کے ساتھ علماء کا یہ رویہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ قرآن کریم کے فہم پر ان کی اجارہ داری قائم ہے۔ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں جب ہم اپنے رویوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اگر ہم حساس دل رکھتے ہوں تو اپنے آپ کو دودھ پینے والے مجنوؤں کی صف میں پاتے ہیں۔

اب آتے ہیں رجب کے مہینے کی طرف، جس کے آغاز سے ہی حضور ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! رجب اور شعبان کو ہمارے لئے بابرکت بنادے اور ہمیں ماہ رمضان المبارک تک پہنچادے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ماہ رجب میں ہم کونڈے کی رسم بڑے ذوق وشوق سے مناتے ہیں اور ماہ شعبان میں ہم شب براءت کے نام پر حضرت اویس قرنیؒ کے عشق رسول ﷺ کی پیروی کرنے کو تو آمادہ نہیں۔ البتہ ان کی (حضرت اویس قرنی کی) یاد میں حلوہ خوری کا اہتمام پورے ذوق وشوق سے اہتمام کرتے ہیں۔ البتہ شب براءت کے موقع پر جاگ کر اپنے گناہوں کو مٹانے کی کوشش ضرور کرتے ہیں، خواہ پورے

سال ہم مسجد کا رخ بھی نہ کریں۔ اور کوئی عالم دین ہمیں اس طرف متوجہ نہیں کرتا کہ فرض کے تارک کو شب براءت کی عبادت کتنا فیض پہنچاسکتی ہے، بلکہ اس کے برعکس شب براءت کے فضائل پر پورا زورِ بیان صرف کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کتنا کرم ہے ہم مسلمانوں پر، جس نے ہمیں بابرکت ماہ رمضان عطا کیا جس کے آغاز سے ہی مسجدیں نمازیوں سے بھر جاتی ہیں اور یہ سلسلہ پورے ماہ رمضان جاری رہتا ہے۔ لیکن ماہ شوال میں مسجدیں مرثیہ خواں ہوجاتی ہیں کہ نمازی نہ رہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ عام مسلمان کیا نماز کو صرف ماہ رمضان میں فرض سمجھتے ہیں یا اپنے روزوں کی قبولیت کے لئے نماز کو ضروری سمجھتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے ائمہ حضرات جو اس ماہ مبارک میں دین کی تعلیمات کو عام کرنے میں صبح شام مصروف رہتے ہیں، کوئی ایک دن ایسے نمازیوں کے لئے مخصوص نہیں کرتے جس میں وہ انہیں نماز کی فرضیت اور دین میں اس کی اہمیت اور اس کے ترک کے نتیجے میں حضور ﷺ کی جانب سے وعیدوں اور فقہائے امت کی تارک نماز کے لئے مقرر کردہ سزاؤں سے انہیں آگاہ کریں۔

رمضان المبارک میں شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے لیکن ہمارے ذخیرہ اندوزوں اور منافع خور حضرات کو اس بات کی پوری اجازت مل جاتی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کو جس میں آپؐ نے امین اور صادق تاجروں کو کتنا اونچا درجہ عطا کیا ہے، پس پشت ڈال کر عوام پر مصنوعی مہنگائی کا عذاب مسلط کردیں اور جس مملکت کے قیام کے نتیجے میں علامہ اقبال نے کہا تھا کہ مسلمانوں کو ایک موقع میسر آجائے گا کہ عرب ملوکیت کے دور میں اسلام کے چہرے پر جو بدنما داغ دھبے پڑ گئے تھے انہیں صاف کر کے دنیا کے سامنے اسلام کا رخ روشن پیش کرسکیں، ہماری جانب سے دنیا کو ایک پیغام دیا جاتا ہے کہ تم اپنے تہواروں کے دوران عوام کو سستی اشیاء مہیا کرتے ہو تو یہ تمہارا اندرونی معاملہ ہے، ہم مسلمان تو یہی کرسکتے ہیں جو ہم کر رہے ہیں۔ اور اس طرح اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔ سہ روزہ، دس روزہ اور پندرہ روزہ تراویح میں یہ بڑے اہتمام سے شرکت کرتے ہیں، تاکہ ''رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی'' کا مصداق بنیں۔ دنیا میں اتنے سارے سروے ہوتے ہیں، کوئی اس سروے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ جس کے نتیجے میں یہ حقیقت سامنے آسکے کہ اس طرز کی نماز تراویح میں شرکت کے بعد کتنے لوگ بقیہ دنوں میں فرض نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔

اور ماہ ذوالحجہ ہمیں اسلامی اخوت و مساوات کا جو موقع فراہم کرتا ہے اس سے اگر فیضیاب ہو رہے ہوتے تو علامہ اقبال کو یہ شکوہ کرنے کا موقع نہیں ملتا کہ۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے

پایا یہ کہ۔

رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

ہم اگر اس پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دینی فرائض کی جانب متوجہ کرنے کے لئے اسلامی کیلنڈر کے بارہ مہینوں کے دوران کتنے مواقع فراہم کئے ہیں اور پھر ہم اپنے رویوں پر غور کریں تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول کتنا منطبق ہوتا نظر آئے گا: ''قلیلا ما تشکرون'' اور ہم پکار اٹھیں گے کہ: صدق اللہ العظیم

☆☆☆☆☆

رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت، آپؐ کے مقصدِ بعثت، اسوۂ رسول ﷺ کے قرآنی تصور، سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف گوشوں، خاص طور پر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے انقلابی پہلو جیسے علمی و عملی موضوعات پر 9 کتابوں کا مجموعہ

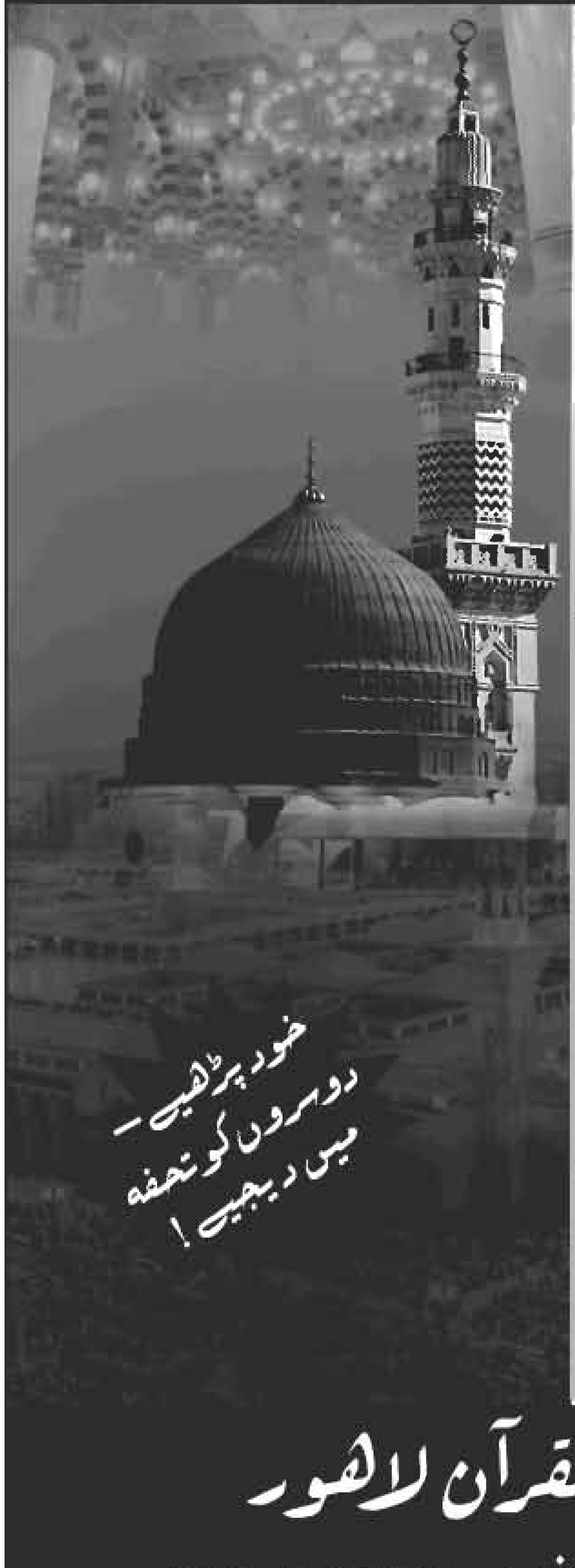

رسولِ اکرم ﷺ اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ

516 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-042-35869501

maktaba@tanzeem.org

نظریاتی تعلیم پاکستان کی بنیادی ضرورت

ضمیر اختر خان

پاکستان ایک نظریے کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔ وہ نظریہ اسلامی نظام حیات ہے جس کے مطابق مسلمان اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کی نقشہ گری کرتے ہیں۔ نظریات کی آبیاری تعلیم کے ذریعے ممکن ہوتی ہے۔ ایک نظریاتی ملک کو سب سے پہلے اپنے نظام تعلیم کو نظریۂ حیات سے ہم آہنگ کرنا ہوتا ہے، تاکہ قوم کے جملہ افراد کے درمیان ذہنی وقلبی ہم آہنگی پیدا ہو سکے جو اس کے اجتماعی وجود کے لیے بنیادی ضرورت ہے۔ انگریز جب برعظیم پاک وہند پر قابض ہوا تھا تو اس نے ہمارے نظام تعلیم کو بدل ڈالا تھا اور اس کی جگہ ایک ایسا نظام تعلیم ترتیب دیا جو اس کے مفادات کے عین مطابق تھا۔ لارڈ میکالے نے اس نظام تعلیم کے جو مقاصد طے کیے تھے ان میں سرفہرست یہ ہدف تھا کہ اس کے ذریعے قلوب واذہان کو بدل جائے گا۔ یہ مقصد بخوبی حاصل ہوا۔ آزادی کے سڑسٹھ سال بعد بھی انگریز سے متاثر قلب وذہن رکھنے والے لوگ ہی ہمارے ملک پر قابض ہیں۔ ان کالے انگریزوں سے جب تک چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا اس وقت تک ملک کی نیّا خطرات کے بھنور سے نہیں نکل سکے گی۔

اس وقت ہمارے ملک میں کئی قسم کے نظامہائے تعلیم رائج ہیں۔ سوائے دینی مدارس کے، باقی تعلیمی ادارے قومی وملی تقاضے ہرگز پورے نہیں کر رہے ہیں۔ ایک طرف انگلش میڈیم سکول ہیں جہاں مغرب سے درآمد شدہ نصاب تعلیم پڑھایا جاتا ہے۔ اس میں پڑھنے والوں کی اکثریت کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ معاشرے کے Elite کہلاتے ہیں۔ یہ اسی نظام تعلیم کے زیراثر پڑھ لکھ کر اعلیٰ سرکاری عہدوں پر پہنچتے ہیں تو ان کی وفاداریاں اپنے ملک کی بجائے مغربی ملکوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اس کا ثبوت ان کی دوہری شہریت (Dual Nationality) ہے جو ان میں سے بیشتر کے پاس ہوتی ہے۔ اور وہ بڑے فخر سے بتاتے بھی ہیں کہ ان کے پاس غیر ملکی شہریت ہے۔ ان کے نزدیک اپنا مفاد مقدم ہوتا ہے۔ ملکی وملی مفادات کی ترجیحات میں شامل نہیں ہوتا۔

دوسری طرف سرکاری تعلیمی ادارے ہیں۔ ان میں بالعموم وہ بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں جن کی رسائی انگریزی میڈیم سکولوں تک نہیں ہو پاتی۔ ان کا معیار بھی تسلی بخش نہیں ہوتا۔ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ اعلیٰ مناصب تک شاذ ہی پہنچ پاتے ہیں۔ ان کی قسمت اگر ساتھ دے تو یہ زیادہ سے زیادہ کلرک بن جاتے ہیں۔ ان میں ذریعہ تعلیم اردو ہونے کی وجہ سے طلبہ میں احساس کمتری بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مقابلے کے امتحانات میں سب سے مؤثر چیز انگریزی زبان ہے جس سے وہ نابلد ہوتے ہیں اور یوں ان کی قسمت میں زندگی بھر کلرکی کرنا لکھ دیا جاتا ہے۔

سرکاری سکولوں میں اساتذہ کا کردار بھی تسلی بخش نہیں ہوتا۔ ان کو تنخواہ سے غرض ہوتی ہے۔ جو سرکاری خزانہ سے وہ ہر ماہ وصول کر لیتے ہیں۔ ان کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ وقت پر کلاس لی یا نہیں۔ نصاب کی تکمیل ہوئی یا نہیں۔ طلبہ ان سے استفادہ کرتے ہیں یا نہیں۔ اپنے مضمون میں مہارت نہ ہونا اور اپنے علم میں اضافہ نہ کرنا ایسی کمزوریاں ہیں جن کا وہ بالعموم شکار ہیں۔ ستم یہ ہے کہ وہ بنیادی انسانی اوصاف سے بھی محروم ہوتے ہیں جیسے طلبہ کے ساتھ شفقت، محبت اور باوقار طریقے سے پیش آنا۔ یہی وجہ ہے کہ سرکاری سکولوں میں تعلیم پانے والے طلبہ بالعموم تہذیب، شائستگی، اعتماد اور خودداری جیسی صفات سے تہی دامن ہوتے ہیں۔

نظام تعلیم میں ایسی یکسانیت پیدا کی جائے کہ جو پوری قوم میں یک رنگی ویکجہتی پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہو۔ انفرادی سطح پر بعض احباب کوشش کر رہے ہیں جس کی ستائش کی جانی چاہیے۔ ایسی ہی ایک کاوش ہمارے ایک دوست نے خیبر پختون خوا کے ضلع نوشہرہ میں کی ہے۔ انہوں نے نوشہرہ میں الہدیٰ سکول کے نام سے مین جی ٹی روڈ سے متصل دریائے کابل کے کنارے خوبصورت اور پرفضا مقام پر ادارہ قائم کیا ہے۔ اس کی حدود میں داخل ہوتے ہی احساس ہوتا ہے کہ آپ واقعی کسی تعلیمی وتربیتی ادارے کے احاطہ میں پہنچ گئے ہیں۔ صاف ستھری فضا کے علاوہ درودیوار ایک نظریاتی سکول کی اس طرح گواہی دے رہے ہیں کہ کہیں قرآنی آیات واحادیث مع ترجمہ دل و دماغ کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہیں، کہیں قومی ترانہ لکھا ہوا ہے تو کہیں اپنے نظریۂ حیات کا بورڈ آویزاں ہے، جس پر لکھا ہوا ہے کہ ہمارا رہنما قرآن ہے، ہماری سرگرمیوں کا مرکز (Focus) پاکستان ہے اور ہماری جستجو معیاری تعلیم ہے۔ دین ودنیا کی جدائی کی نفی کی گئی ہے۔ یہ ادارہ اس تقسیم کا قائل نہیں ہے بلکہ یہاں عصری تعلیم اور دینی تعلیم کو یکجا کر دیا گیا ہے اور اس سے فارغ التحصیل ہونے والا طالب علم ایک فرض شناس مسلمان کی حیثیت سے ہر ذمہ داری اٹھانے کا اہل ہوگا، ان شاء اللہ۔ یہاں انگریزی زبان اس لیے سکھائی جاتی ہے، تاکہ طلبہ جدید علوم سے براہ راست استفادہ کر سکیں۔ اس طرح عربی زبان اس مقصد کے تحت سکھائی جا رہی ہے تاکہ دین کا فہم قرآن و حدیث کے ساتھ تعلق قائم کر کے بغیر کسی رکاوٹ کے حاصل کیا جا سکے۔ اسلامی آداب اور طور طریقوں کی تربیت اس طرح دی جاتی ہے کہ طلبہ بھرپور اعتماد کے ساتھ اسلامی شعائر اور اسلامی تہذیب کو اختیار کریں۔ سکول کے منتظم انتہائی متحرک اور فعال دینی کارکن ہیں بلکہ قائدانہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ انہیں محنتی اور مخلص ٹیم بھی میسر ہے۔ امید ہے کہ وہ عامۃ المسلمین کی تربیت اولاد کے حوالے سے دیرینہ ضرورت کو پورا کریں گے۔

پاکستانی روایتی طور پر پُرجوش مسلمان ہیں۔ مغربی تہذیب کی یلغار کی وجہ سے اپنے بچوں کو جدید تعلیم شوق سے دلواتے ہیں مگر ان کی خواہش ضرور ہوتی ہے کہ ان کے بچے دینی تعلیم سے بھی روشناس ہوں۔ ایسے میں الہدیٰ سکول نوشہرہ جیسے ادارے بہترین متبادل کے طور پر سامنے آ رہے ہیں۔ ایسے والدین جو اپنے بچوں کو مثالی مسلمان اور مستقبل کے معمار بنانا چاہتے ہیں اور متوازن انداز میں

بچوں کی تعلیم وتربیت کے خواہاں ہیں ان کے لیے اس طرح کے ادارے مواقع فراہم کر رہے ہیں کہ وہ ان سے بھرپور استفادہ کریں۔

جب تک ملکی سطح پر نظریۂ پاکستان سے ہم آہنگ نظامِ تعلیم رائج نہیں کیا جاتا، اس وقت تک اس طرح کی انفرادی کاوشیں قابلِ ستائش ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا دین سے لگاؤ رکھنے والوں کی ذمہ داری ہے۔ انگریز نے جب ہمارے نظامِ تعلیم کو خراب کیا تھا تو متبادل کے طور پر مسلمانوں نے پرائیویٹ سیکٹر میں اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم کرکے ایک بڑی ضرورت پوری کی تھی۔ دارالعلوم دیوبند، علی گڑھ، ندوۃ العلماء، جامعہ ملیہ، جامعہ عثمانیہ اور انجمن حمایت اسلام جیسے ادارے اسی دور کی عظیم یادگار ہیں۔ نظریاتی نظامِ تعلیم پاکستان کے بقا و استحکام کا ضامن ہے۔ پاکستان کی سلامتی، استحکام، ترقی اور خوشحالی کے لیے ضروری ہے کہ اس کی نظریاتی بنیادوں کو مستحکم کیا جائے، تاکہ اس کی جغرافیائی بنیادیں بھی مستحکم ہوں اور آئندہ نسلیں اسلامی وملی تفاخر کے ساتھ قوموں کی برادری میں آگے بڑھ سکیں۔

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط وکتابت کورسز سے فائدہ اٹھایئے:

(1) قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I، II، III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط وکتابت کورسز
قرآن اکیڈمی 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
E-mail: distancelearning@tanzeem.org

اس سانحے سے بچو

اوریا مقبول جان
theharferaz@yahoo.com

ریاستی طاقت کا متعصبانہ استعمال کس قدر افسوسناک ہوتا ہے، اس کا اندازہ حکومتوں کی مسند پر بیٹھے افراد کو اس لیے نہیں ہوتا کہ اس کے نتیجے میں جو جہنم پیدا ہوتا ہے اس کی آگ میں صرف اور صرف عوام جلتے ہیں۔ تاریخ کا یہ سبق صدیوں پرانا ہوگا لیکن اس کی بدترین مثالیں تو ہم جیتے جاگتے اپنے اردگرد دیکھ رہے ہیں۔ لیکن شاید ہمیں ریاستی طاقت کا نشہ اندھا کر دیتا ہے اور ہمیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ نشہ اس وقت مزید خطرناک ہو جاتا ہے جب اس میں نسل، عقیدے، مسلک، زبان، علاقے یا گروہ کا تعصب شامل ہو جاتا ہے۔

اس ریاستی طاقت کے اندھے استعمال سے ایک ایسا انتقام جنم لیتا ہے جو انتہائی خوفناک ہوتا ہے۔ جو لوگ اس انتقام کے دوزخ کا الاؤ روشن کرتے ہیں وہ اسے کسی اعلیٰ مقصد کا لبادہ ضرور پہناتے ہیں۔ کوئی قومی آزادی کا نعرہ لگاتا ہے تو کوئی نسلی برتری کا۔ کوئی عقیدے کا پرچم تھامے نکلتا ہے تو کوئی ملک کی بقا کا جھنڈا۔ ریاستی طاقت کے اس بے محابہ استعمال کے نتیجے میں ایسے لوگ بھی خونخوار بھیڑیے جیسے منتقم مزاج ہو جاتے ہیں کہ جن کی زندگی امن و محبت کے گیت گاتے ہوئے گزری ہوتی ہے۔

کس کو یقین تھا کہ ایک ایسے خاندان کا فرد جس کی شہرت صوفیانہ مسلک کی وجہ سے ہو اور جسے پورے علاقے میں محبت اور امن کا سفیر سمجھا جاتا ہو، آلِ رسول ﷺ اور سیدنا حسین ؓ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ان کا احترام کیا جائے اور لوگ ان کی نیکی اور صلح جوئی کی وجہ سے انھیں عزت وتوقیر دیں۔ اس گھرانے کا ایک فرد جو کسی مدرسے کا نہیں بلکہ ماڈرن یونیورسٹی کا طالب علم ہو، جس نے بغداد یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہو، وہ ایک دن پورے علاقے میں خوف اور دہشت کی علامت بن جائے گا۔

یہ شخص ابراہیم بن عواد بن علی بن محمد ہے، جسے آج دنیا ابوبکر البغدادی، الحسینی، الرضوی، الهاشمی، القریشی کے نام سے جانتی ہے۔ حسینی سادات کے قبیلے بدرین سے تعلق رکھنے والا یہ شخص 1971ء میں سامرا میں پیدا ہوا۔ اس کا دادا حاجی ابراہیم ایک صوفی بزرگ تھا جب کہ اس کی دادی کی شہرت ایک انتہائی برگزیدہ خاتون کی حیثیت سے پورے بدری قبیلے میں عام تھی۔ ایسے گھرانے سے شناخت رکھنے والا ابوبکر البغدادی ان سب سے اتنا مختلف کیوں ہے۔

شام اور عراق کے وسیع علاقے میں امارتِ اسلامی قائم کرنے والا یہ شخص ایک پروفیسر تھا۔ جس نے 2003ء میں عراق پر امریکی حملے کے بعد جماعت جیش اہل السنہ والجماعہ کا ساتھ دینا شروع کیا۔ اپنی علمی صلاحیت کی وجہ سے اسے اس کی شریعہ کمیٹی کا رکن بنا دیا گیا۔ اس گروہ نے خود کو مجاہدین شوریٰ کونسل میں ضم کیا اور اپنا نام 2006ء میں اسلامک اسٹیٹ آف عراق (ISI) رکھا۔ بغدادی کو اس گروہ نے بھی شریعہ کمیٹی کا سپروائزر مقرر کیا۔

اس کا عملی طور پر جہاد اور جنگجو سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن پھر ایک دن اسے مقامی اور امریکی افواج پکڑ کر لے گئیں۔ جہاں وہ بکہ جیل میں 2009ء تک قید رہا اور اسے ایک غیر جنگجو فرد تصور کرتے ہوئے چھوڑ دیا گیا۔ بکہ جیل کا انچارج کرنل Kem King کہتا ہے کہ جیل میں وہ ایک پُرامن قیدی کے طور پر رہا لیکن وہ اکثر یہ نعرہ ضرور بولتا، میں اب آپ لوگوں سے نیویارک میں ملوں گا، جسے ہم ہنسی میں ٹال دیتے۔

یہ سب اچانک نہیں ہوا۔ کوئی جہادی گروہ کسی ملک میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اسے عوام کی واضح اکثریت کی خاموش حمایت اور ہمدردی حاصل نہ ہو۔ ابومصعب زرقاوی کی ہلاکت 2006ء میں ہوئی اور ابوبکر البغدادی کا عروج 2013ء میں۔ اس کے درمیان

سات سال ایسے ہیں جن میں امریکی پشت پناہی سے قائم ہونے والی نوری المالکی کی حکومت نے مسلکی اقلیت کو القاعدہ کا نام دے کر خوفزدہ اور قتل کرنا شروع کیا۔ میں فسادِ خلق کے خوف سے وہ کہانیاں بیان نہیں کرنا چاہتا جو عراق سے بھاگنے والے لوگوں سے میں نے خود لبنان اور لندن میں سنیں۔

کہا جاتا ہے کہ ان سات سالوں میں جو شہر اجاڑے گئے وہ سب القاعدہ کے مسکن تھے، جو قتل کیے گئے وہ دہشت گرد تھے اور جو مسجدیں اور مدرسے مسمار کیے گئے سب کے سب ٹریننگ کیمپ تھے۔ یہ تھا عالمی اور عراقی میڈیا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ سب مسلکی اقلیت کے علاقے تھے۔ اس دوران 2010ء کے اپریل میں امریکا نے عراق سے نکلنے کا پروگرام بنایا تو القاعدہ کے نام سے تمام گروہوں کے خلاف کریک ڈاؤن کا آغاز کیا۔

اس آپریشن کی قیادت نور المالکی کی افواج کر رہی تھیں۔ تکریت میں دو اہم رہنما مار دیے گئے۔ اس کے صرف ایک ماہ بعد جس نئی قیادت کا اعلان ہوا اس میں ابوبکر البغدادی کی حیثیت بہت اہم تھی۔ عراق کے صوبوں انبار اور نینویٰ میں جو قبائل آباد ہیں، ان کے نسلی اور خونی رشتے مشرقی شام کے قبائل سے ہیں۔ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے ہمارے پشتون قبائل نسلی اور قومی اعتبار سے افغانستان سے منسلک ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں سرحد کی کوئی اہمیت نہیں ویسے ہی وہاں بھی سرحد کی کوئی اہمیت نہیں۔

شام میں جب دیگر عرب ممالک کی طرح ہنگامے شروع ہوئے تو بشارالاسد کی اقلیتی علوی حکومت کا خوف ریاست کی طاقت کے استعمال میں ظاہر ہوا۔ قبائل پناہ لینے کے لیے بھاگنے لگے۔ دس فیصد اقلیت کی علوی حکومت اور اسی فیصد سے زیادہ سنی آبادی۔ دونوں جانب سے مسلکی ٹھیکیدار ممالک ایران اور سعودی عرب کود پڑے۔ عراق میں لڑنے والوں کو ایک اور محاذ مل گیا۔ یوں ISI اسلامک اسٹیٹ آف عراق سے ISIS اسلامک اسٹیٹ عراق اینڈ شام وجود میں آگئی۔

سرحدیں بے معنی تو امریکا نے کر دی تھیں، پھر ایران اور سعودی عرب نے کر دیں۔ اب ان کے خلاف لڑنے والوں نے بھی اسے ختم کر کے رکھ دیا۔ وہ ریاستی طاقت اور سرحد جس پر فخر کیا جاتا تھا 29 جون 2014ء کو ایک نئی اکائی میں تبدیل ہو گئی۔ ایک ایسا گروہ سامنے آگیا جس کی آنکھوں میں انتقام کے شعلے تھے اور گزشتہ 9 سال سے القاعدہ کے نام پر ظلم، دہشت اور بربریت سہتی ہوئی اقلیت کی ہمدردیاں۔

ریاستیں کمزور پڑتی ہیں تو سازشی تھیوریاں اور میڈیا کا سہارا لیتی ہیں۔ کوئی مسائل کی جڑ تک نہیں پہنچنا چاہتا، اس لیے کہ ان کا طاقت کا نشہ اور اندر کا تعصب انھیں یہ نہیں کرنے دیتا۔ امریکی سازش ہے، یہودی ایجنٹ ہے، ایرانی مدد ہے، سعودی پیسہ ہے، بیرونی ہاتھ ہے، یہ سب کہنے سے زمینی صورت حال نہیں بدلتی۔ اس لیے کہ ایسی طاقتوں کی حمایت مسلکی اور نظریاتی ہوتی ہے اور پھر یہ حمایت ایک خون کا دریا عبور کر کے پیدا ہوئی ہے۔

پاکستان گزشتہ آٹھ سالوں سے ویسے ہی حالات کا شکار رہا ہے۔ افغانستان پر حملے کے بعد یوں تو امریکا کا ساتھ دینے پر پوری قوم میں غم و غصہ تھا اور کوئی اختلاف موجود نہ تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ پرچم ایک مسلک کے لوگوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ 2007ء میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے آپریشن نے اس میں خودکش حملوں اور تحریک طالبان کا اضافہ کیا۔ اس مسلک کے لوگوں کی ہمدردیاں بھی ان کے ساتھ تھیں اور ملک میں جہاں بھی آپریشن ہوا اس کا رخ اسی جانب تھا۔ ایسے میں دوسرے تمام گروہ امریکی حمایت میں دیوانے سیکولرز کے محبوب تھے۔

ڈاکٹر طاہر القادری کا مشہور فتویٰ ہر جگہ حوالے کے طور پر دیا جاتا۔ سنی اتحاد کونسل طالبان پر گرجتی برستی اور مجلس وحدت المسلمین دہشتگردی کے خلاف جنگ میں ان کی اتحادی بنی رہی۔ ایک ایسی صورت حال جو سالوں قائم رہی، امریکا نے افغانستان سے جانے کا قصد کیا تو تکریت کی طرح یہاں بھی آپریشن شروع ہو گئے۔ لیکن اب جس خوفناک منظرنامے کی طرف ہم بڑھ رہے ہیں وہ ریاستی طاقت کا استعمال ہے۔ جو طاہر القادری سنی اتحاد کونسل اور مجلس وحدت المسلمین کے خلاف استعمال سے پیدا ہوگا۔

کوئی بھی سانحہ ان گروہوں کو عراق کی طرح چھوٹے چھوٹے گروپوں میں تقسیم کر سکتا ہے۔ ابھی تو صرف گیارہ لاشیں گری ہیں یہ تعداد بڑھی تو پھر لوگ رہنماؤں کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ انتقام ان کی آنکھوں میں خون بھر دیتا ہے۔ ایک جانب پورے ملک میں طالبان اور ان کے ہم مسلک وہ لوگ ہوں گے جو آپریشن کے زخم خوردہ ہیں اور دوسری جانب دوسرے مسلک کے موجودہ صورت میں لاشیں اٹھائے گروہ۔

جب گروہ چھوٹے ہو جائیں اور پورے ملک میں پھیل جاتے ہیں اور اگر ان میں مسلک کا اختلاف اور ظلم کے خلاف غصہ بھی ہو تو ان تک اسلحہ بہت آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔ اگر پاکستانی ریاست کو اس کا علم نہیں تو وہ احمقوں کی جنت میں رہ رہی ہے۔ پورے ملک میں پولیس رینجرز اور دیگر اداروں کے افراد کی تعداد چار لاکھ کے قریب ہے۔ اس تعداد کو پورے ملک پر پھیلا دیں اور پھر سوچیں کہ ہم کس بھیانک منظرنامے کا بیج بونے جا رہے ہیں۔ کسی نے کبھی سوچا تھا کہ ایک صوفی گھرانے کا مرنجان مرنج پروفیسر ابوبکر البغدادی بھی بن سکتا ہے۔

معمارِ پاکستان نے کہا

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ پارلیمنٹ کی، نہ کسی شخص اور کسی ادارے کی۔ قرآن مجید کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کر سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قرآن کے اصول واحکام کی حکومت ہے۔ (کراچی، 1948ء)

رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

عبدالرشید عراقی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے خادم خاص تھے۔ ان کا تعلق مدینہ کے قبیلہ نجار سے تھا۔ جو انصار مدینہ کا معزز ترین خاندان تھا۔ جب آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے، اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ دس سال کے تھے۔ آپؐ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے ایک سال قبل دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ ان کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عقبہ ثانیہ سے پیشتر دین اسلام اختیار کر لیا تھا۔ ان کے والد مالک بن نضر ان کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام سے ناراض ہو کر شام چلے گئے تھے، اور وہیں حالت کفر میں وفات پائی۔ اس کے بعد حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا تھا۔

جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اور مدینہ کو اپنا مستقر بنایا، تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ اور عرض کیا کہ انس رضی اللہ عنہ کو اپنی غلامی میں لے لیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے منظور فرمایا، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ خادمانِ خاص کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی وفات تک اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ وہ دس سال تک حامل نبوتؐ کی خدمت کرتے رہے، اور ہمیشہ ان کو اس پر ناز رہا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ سفر و حضر اور خلوت و جلوت کی ان کے لیے کوئی تخصیص نہ تھی۔ اور نزول حجاب سے پہلے وہ آنحضرت ﷺ کے گھر میں آزادی کے ساتھ آتے جاتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے تمام کام نہایت مستعدی اور تندہی سے بجالاتے، اور اپنی فرمانبرداری سے جناب رسالت مآب ﷺ کو خوش رکھتے۔ فرماتے ہیں کہ:

”میں نے دس برس آنحضرت ﷺ کی خدمت کی لیکن اس مدت میں کبھی آپ ﷺ خفا نہ ہوئے۔ اور نہ کبھی کسی کام کی نسبت یہ فرمایا کہ اب تک کیوں نہ ہوا۔“

جنگ بدر میں ان کی عمر 12 سال تھی، اور مجاہدین اسلام کے پہلو بہ پہلو میدان جنگ میں موجود تھے۔ اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خدمت گزاری کا فرض بجا لا رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جن غزوات میں خود شرکت فرمائی، ان کی تعداد 27 ہے۔ لیکن جن میں جنگ و قتال کی نوبت آئی، اُن کی تعداد 9 ہے۔ بدر، احد، خندق، قریظہ، مصطلق، خیبر، مکہ، حنین، طائف۔ ان سب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ شامل تھے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، تو انہوں نے آپؓ کو بحرین کا عامل بنا دیا۔ اور عہد فاروقی میں انہیں بصرہ میں تعلیم فقہ کے لیے بصرہ بھیجا گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مستقل طور پر بصرہ میں سکونت اختیار کر لی، اور زندگی کا بقیہ حصہ آپؓ نے بصرہ میں ہی گزارا۔

عہد عثمانی اور عہد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں وہ بصرہ ہی میں قیام فرما رہے اور انقلاب زمانہ کے عجیب و غریب دیکھتے رہے۔ لیکن اُنہوں نے گوشۂ خلوت کو مقدم جانا۔

عہد بنو اُمیہ (عبدالملک بن مروان) میں حکومت کے دست ستم سے محفوظ نہ رہ سکے۔ حجاج بن یوسف ثقفی جو خلیفہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا، اور ظلم و جور میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے گستاخی سے پیش آیا، اور کہا میں نے آپ کے لیے بہت سخت سزا تجویز کی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ خاموشی سے سن کر اپنے مکان پر واپس تشریف لائے، اور خلیفہ عبدالملک کو ایک خط کے ذریعہ اطلاع دی۔ جس میں آپ نے حجاج بن یوسف کی شکایت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا خط جب عبدالملک بن مروان نے پڑھا تو غصہ سے بے تاب ہو گیا اور حجاج کو تہدید آمیز خط لکھا کہ

”اے بدبخت تجھے شرم آنی چاہیے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے خاص خادم سے گستاخی سے پیش آتے ہو۔ تم فوراً ننگے پاؤں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان پر جا کر ان سے معافی مانگو، ورنہ تمہارے ساتھ بہت سخت برتاؤ کیا جائے گا۔“

چنانچہ حجاج اپنے درباریوں کے ہمراہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور معافی مانگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے آنحضرت ﷺ نے اُن کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی درخواست پر خاص دعا فرمائی تھی اے اللہ انس رضی اللہ عنہ کے مال و اولاد میں برکت عطا فرما اور اُسے جنت کا مستحق بنا دے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ”دو باتیں پوری ہوئیں اور تیسری کا منتظر ہوں“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کثیر الروایات صحابہ کرام میں داخل ہیں۔ ان سے جو احادیث مروی ہیں ان کی تعداد 2286 ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اخلاق و عادات کے اعتبار سے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ طبیعت میں انکسار و تواضع تھی۔ تحمل و بردباری بھی ان میں انتہا درجہ کی تھی۔ حق گوئی و بے باکی میں بھی بے مثال تھے۔ شجاعت و بسالت میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گلدستہ اخلاق میں چار پھول ایسے ہیں، جو بہت نازل لطیف اور شگفتہ ہیں۔ جن پر گلدستہ کی خوبصورتی کا تمام تر انحصار ہے۔

1۔ حُبّ رسول ﷺ
2۔ اتباع سنت
3۔ امر بالمعروف
4۔ حق گوئی و بے باکی

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خاص اوصاف ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے 93ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔ عمر 103 سال تھی۔ بصرہ میں سوائے ان کے اور کوئی صحابی زندہ نہ تھا۔ ان کی نماز جنازہ قطن بن مدرک کلابی نے پڑھائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

☆☆☆

ڈاکٹر آصف قرآن کمپلیکس راولپنڈی میں دورۂ ترجمہ قرآن

الحمدللہ تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام اس سال بھی ماہ رمضان کے دوران ملک کے بڑے بڑے شہروں میں نماز تراویح کے ساتھ دورہ ترجمہ قرآن کے پروگرام منعقد ہوئے۔اس سلسلہ میں ایک پروگرام ڈاکٹر آصف قرآن کمپلیکس راولپنڈی میں ہوا۔اس مقام پر یہ دوسرا پروگرام تھا۔یہ کمپلیکس دو ہالوں پر مشتمل ہے جس میں ایک ہال مردوں کے لیے اور دوسرا خواتین کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ڈاکٹر آصف قرآن کمپلیکس میں دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت جناب نوید احمد عباسی نے حاصل کی۔انہوں نے ترجمہ قرآن اور بعض آیات کے شان نزول اور مختصر تشریح کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کے بعض مضامین کو قدرے تفصیل سے بیان کیا۔جس میں دین کا ہمہ گیر تصور، فرائض دینی کا جامع تصور، منہج انقلاب نبوی ﷺ، نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں اور اقامت دین کی جدوجہد کے مراحل قابل ذکر ہیں۔

یہ پروگرام مقامی تنظیم النور کالونی کے زیر انتظام تھا۔جس کے رفقاء نے انفرادی دعوت کے سلسلہ میں ہینڈ بلز کی تقسیم کے ساتھ ساتھ ایک عدد رمضان کیلنڈر (جو قرآن کمپلیکس کی انتظامیہ کی طرف سے تھا) بھی گھر گھر جاکر تقسیم کیا۔اس پروگرام میں اوسطاً حاضری 200 مرد حضرات اور 100 خواتین رہی۔میزبان حاجی منظور احمد خان اور حاجی مسعود احمد خان سامعین کے لیے پُر تکلف سحری کا انتظام بھی کرتے رہے۔سامعین نے انتہائی اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن سنا۔یہ ہال حاجی برادران کی ذاتی رہائش کے ساتھ ہے اور مرحوم بیٹے ڈاکٹر آصف کے نام سے منسوب ہے۔مزید براں اسے دروس قرآن اور دینی پروگراموں کے لیے مختص کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ ڈاکٹر آصف کی مغفرت اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

ڈاکٹر آصف قرآن کمپلیکس کا دورۂ ترجمہ قرآن کے لیے دستیاب ہو جانا اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور انعام ہے۔اس پروگرام کو بہتر طور سرانجام دینے کے لیے مقامی امیر نے رفقاء کی ذمہ داریاں لگائی ہوئی تھیں۔مثلاً سیکورٹی، سحری کا انتظام، ریفریشمنٹ کا انتظام وغیرہ۔رفقاء نے یہ ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھائیں۔دورۂ ترجمہ قرآن 27 رمضان المبارک کو مکمل ہوا۔ہم اللہ تعالیٰ کے شکرگزار ہیں جس نے ہمیں اِس پروگرام کے انعقاد کی توفیق بخشی اور تمام معاملات خوش اسلوبی سے سرانجام پائے۔

(مرتب: صوفی محمد صفدر، معتمد النور کالونی)

اسرہ حیاتی تنظیم اسلامی باجوڑ شرقی کی دعوتی سرگرمیاں

رمضان نیکیوں کی فصل بہار ہے۔یہ بہار قرآنی کا مہینہ ہے۔ہر سال یہ مہینا آتا ہے اور گلہائے قرآنی سے سوسائٹی کو مہکا کر رخصت ہو جاتا ہے۔اس ماہ مبارک میں قرآن پاک کا نزول ہوا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ رمضان میں قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کی تجدید کی جائے۔تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ماہ رمضان کے دوران ملک بھر میں مجالس قرآنی کا انعقاد ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں اُسرہ حیاتی کے رفقاء بھی مقدور بھر کوشاں رہتے ہیں۔امسال اسرہ حیاتی کے تحت اس ماہ قرآنی کے دوران دو مساجد میں دروس قرآن کا تسلسل سے انعقاد ہوتا رہا، اور فضا میں قرآن کی صدائیں گونجتی رہیں۔ایک درس مسجد توحید آباد میں ہوتا رہا۔مدرس مولوی محمد شعیب تھے۔دوسرا درس شاگو مسجد میں شیر محمد حنیف دیتے رہے۔ان دروس کے اختتام پر مدرسین نے دین کا ہمہ گیر تصور، اسلامی انقلاب کا طریق کار، فرائض دینی کا جامع تصور جیسے موضوعات بھی بیان کیے۔شاگو مسجد میں مہمان مقرر عالم دین مولانا نثار احمد نے قرآن حکیم کی آخری چار سورتوں کا درس دیا۔اسی طرح مسجد توحید آباد میں مہمان مقرر مولانا حبیب اللہ نے آخری سورتوں کا بیان کیا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔آمین (مرتب: رفیق تنظیم)

☆☆☆☆☆

ضرورت رشتہ

☆ حیدرآباد میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی دو بیٹیوں، شرعی پردے کی پابند، عمریں بالترتیب 22 سال، 23، تعلیم ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس، بی اے کے لئے دینی مزاج کے حامل لڑکوں کے رشتے درکار ہیں۔والدین رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 0333-2604885

☆ ملتان میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی بیٹی، تعلیم بی اے، عمر 36 سال (کنواری) کے لئے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔برائے رابطہ: 0322-6685875

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ حلقہ پنجاب شمالی کی مقامی تنظیم راولپنڈی غربی کے ملتزم رفیق ظہور تعمیر وفات پا گئے

☆ ملتزم رفیق اور نقیب اسرہ کبل (سوات) محمد صدیق کی ہمشیر وفات پا گئیں

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمَا وَارْحَمْھُمَا وَاَدْخِلْھُمَا فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمَا حِسَابًا یَّسِیْرًا

دعائے صحت کی اپیل

☆ حلقہ پنجاب شمالی کے ملتزم رفیق اور ناظم بیت المال (حلقہ) طفیل احمد گوندل اور ملتزم رفیق جناب ملک قمر نواز علیل ہیں۔

☆ مقامی تنظیم فورٹ عباس کے رفیق محمد فاروق کے مہروں میں تکلیف ہے

☆ رفیق تنظیم منفرد اسرہ بورے والا ڈاکٹر عبدالحفیظ کا بیٹا لبلبہ میں پتھری کی وجہ سے زیر علاج ہے۔

☆ رفیق تنظیم اسلامی چشتیاں قاری غلام مصطفےٰ بیمار ہیں۔

اللہ تعالیٰ بیماروں کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔قارئین سے بھی اُن کے لئے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا

Five Days in Gaza: A Wartime Diary Life and Death in the Gaza Strip

ATEF ABU SAIF

Today is Eid. After a month of fasting, Eid is a sigh of relief. The kids get up early, awakened by the hymns and chanting from the minarets of the surrounding mosques, while the sun is still struggling to get out of bed in the east. Normally, at Eid the kids play in the streets, excited by the pocket money from their parents. Eid is what every child waits for all year.

Last night, we all spent about two hours debating what kind of Eid we were going to have. The kids all wanted to celebrate Eid as it should be. This means buying them new clothes, having their hair cut (even if they had it cut just a week before), letting them blow their pocket money on toys and sweets. “It’s Eid!” they insist. “It’s Eid!” That’s their logic. Our argument, Hanna’s and mine, is that there are many children who lost their parents and cannot celebrate Eid this evening, and it would be very upsetting for them to see other children celebrating Eid, while they cannot. What about the displaced people camping in the schools, we say, who don’t have anywhere to live anymore?

Our arguments are falling on deaf ears. I succumb to the pressure and agree to buy them one new piece of clothing each, maybe a haircut. But no sweets, no toys.

I haven’t drunk cold water for three days. The larger supermarkets have their own generators, but they don’t waste the power on cold drinks. My friend Faraj told me that another friend, Wafi, had brought some ice from relatives living in an area that still had electricity. He gave Faraj some. I asked him if he could spare me some for a glass of water.

Tuesday, July 29

To see death — to touch it with still-living flesh, to smell its saliva, to feel it in your hands, around you, on every corner of the street. To witness its brutality, its vulgarity, its mercilessness. To watch as bodies are scattered about in piles in front of you, like discarded exam papers at the end of a school term. One leg here, one arm there, an eye, a severed head, fingers, hair, intestines.

We are having lunch. We have barely started, when the sound of the tanks’ mortars thunders through the house. I jump to the window, convinced that the tank is next door. It’s actually 75 yards away. I catch the flash of a second missile just as it lands and watch the first billows of smoke rising above the rooftops. The targeted house is right beside the mosque my father-in-law has just gone to pray in. I run there, forgetting that the shelling is still going on.

When I get there, the mosque, mysteriously, is closed and appears unscathed. Then, along with everyone else on the street, I turn toward the targeted house. The building has been devastated. Men are already busy collecting pieces of meat that have become separated from the bodies lying all around us. I see scattered organs, severed limbs. I have to pick them up. I touch them. We manage to gather five corpses, place them on sheets and carry them to some of the private cars that have arrived to offer help.

An F-16 comes in close again, booming above us, terrifying us all over again. Several women from the surrounding neighborhood have barely been able to drag their children off the street, after the first attack. Another explosion. It seems the F-16 has come back for more. We run like the wind in the fields. There are about a hundred of us. There are women running alongside me as well as men, holding on to their clothes and their head scarves as they run, running as fast as the rest of us. The kids are crying, trying to keep up with their mothers.

We return to the site of the second attack with the ambulance drivers, and once again offer to help them gather remains. One driver seems to be in charge, and explains that we should leave the scene and let his team do their work alone. The narrow street leading to the new bomb site needs to be cleared of people so ambulances can get down it. We move into the main street, but the alleyway is still too narrow for the larger ambulances to fit.

The long black hair of a woman is carried, all in one clump, with part of her head still attached. The hair is matted with blood like the hide of a sheep when it's just been skinned. The remains of her body are like pieces of broken glass. We carry the remaining stretchers to the ambulance, heave them inside, and then slam the door shut. We hit the side of the ambulance, and it speeds away. On that stretcher there were two corpses merging into one pile of flesh. My whole body was dripping wet.

Wednesday, July 30

Beside me now lies a piece of metal: razor-sharp, a single, twisted edge. It belongs to the rocket that struck the United Nations' Abu Hussein school this morning, a few yards from my father's house, killing at least 15 people. The shrapnel sits in front of the school's door. Violent, even in the way it sits there. When I see it, I flinch, as if it's about to spring back to life. Carefully, I pick it up, study its horrifying shape. It may have killed someone on its journey, before resting here.

The rooms in the front half of the school look as if they've imploded. Five houses opposite the school were completely destroyed. In the first room of the school scores of displaced people had been taking shelter — people who had already escaped death back in Beit Lahiya. Without doubt, like all of us last night, they would have been wide-awake. Like the rest of us they would have been sitting there imagining the rocket was about to hit their room. Everyone expects Death, every night. He's a visitor who observes no rules, respects no codes of behavior.

As it turns out the attack was not on Mostafa's school, but on another, a few blocks away. Great hunks of concrete sit scattered around it when I arrive. Dust covers everything and everyone, making the displaced people still inhabiting it look white-haired and ancient. The water tanks that ought to be up on the roof now squat in the street. Water pipes dangle down from the walls like figures on a gallows. The mattresses that people had been sleeping on look like great sponges, dyed deep red, soaked. Each mattress could just as well be another body part. The cooking pot from which these people had been serving their dinner sits exactly as it was, with good food still in it. But no one will eat from it now.

The pair of shoes in the corner, the blackboard, the huge tree in front of the school, the clothes hanging out to dry in the playground, the benches under the tree, the notice board in the school assembly point, the clay pot in the front room, the blankets, the toilets, the broken tiles, the paintings on the walls of every classroom, the kids' toys — each and every one of these has the imprint of death on it.

Diab, my childhood friend, lives across the street from this school. I visit him and find him weeping at the loss of his cousins. I knew his cousins; they were our neighbors. With tears still rolling down his cheeks, Diab takes me to see the three ruined houses.

The fig tree in front of the homes is painted white with dust. Branches lie on the ground with fruit still on them, mocking us. Diab leads me through to a small room, where he clears a path through scattered children's toys and points to the corner, where a 2-year-old boy was found, still alive. A little girl elsewhere in the house shouts happily that the big clock on the wall is still intact. This old clock hangs on the wall at the end of a very long, thin living room. The girl's happiness is the only positive moment of the entire day.

The rest of the family has been injured. One boy is still hysterical after seeing the flesh of his father and his uncle, mixed together like meat in a butcher's shop. They have yet to calm him down.

Thursday, July 31

Last night was the calmest since the start of the war. We heard very few bombs, and saw only the occasional flash or surveillance balloon in the sky. Except for one enormous, deafening boom at the end of the night, nothing worried us. The focus of the onslaught might have moved to other areas of the Strip, Rafah perhaps.

We slept as we hadn't slept in a month. The electricity came on just before 11 p.m., so we had the pleasure of watching TV for a few hours. We watched a movie, then all fell asleep together. We started the night scared, as always, imagining the shells hitting us directly, cutting us all to shreds. I was looking at my legs, as I had the night before, imagining them and the limbs of my children chopped up and mixed up, like meat. Amid these familiar thoughts, I fell asleep.

When I wake up I don't want to listen to the radio or phone a friend to ask about the latest developments. I want the morning to be like a normal morning, before the war. To start my day with a cup of coffee, to sip it in private for an hour. To look down from my window and watch the people in the street, to feel the pulse of the city around me.

As there is still no clue when the war might end, everyone is saving every gas cylinder they have. Hanna suggests that the lack of parsley in the market might be another cause; parsley is essential for making good falafel.

I shave. The bathroom is very dark. The light coming from the little window is too feeble to shave in. I turn on the flashlight, and start shaving one-handed, shining the light at my jaw with the other hand. A Gaza TV journalist phones, making sure I will be ready in 30 minutes for an interview — they're going to send me a taxi. After 10 minutes he calls to apologize that the taxi company has refused to send taxis to Jabaliya. They're afraid their cars will be hit; Jabaliya is now a no-go zone.

I phone my friend Aed to ask about this. He confirms that he, too, has passed a very calm night, and he slept well. Aed has moved from his place on the north beach to his sister's house in the quarter of Gaza City called Al Nasser. He asks me about Berri, the waiter at the Karawan Cafe — the most famous cafe waiter in Gaza. He is the best. "Is it open?" he asks, about the cafe. We decide to meet up and check. If not, we will look for another place to spend the morning. We have to recapture some normality, to reclaim some of the life we had before

In the evening, I meet Aed and suggest we try to find a restaurant somewhere that's still serving falafel. But everywhere seems closed. Eventually, we try one called Akila, on Al-Wahda Street. It's open and we both tuck in joyfully. Afterward we drive into the city, and try to take in the destruction on all sides. Broken glass seems to cover every square foot of the city. Few cars pass. Shops remain closed.

Many buildings have completely disappeared, as if a designer somewhere had Photoshopped them out of the picture — the designer being an F-16 pilot, a drone operator, a soldier in a tank.

Unfortunately the Karawan Cafe is closed, and Ranoosh Cafe likewise. There is no place to smoke a water pipe. Aed suggests that we take cold drinks and ice cream and go to our friend Salim's house nearby. I find a shop, near Salim's, where I can buy two bottles of cold water and two Cokes. The building opposite Salim's has been completely destroyed. He hasn't had water himself for two days. When we arrive he is working with other inhabitants in the building trying to fix the problem.

We eat ice cream, drink the Coke and smoke a water pipe, listening to the sound of the water tank slowly filling. We chat for a couple of hours, and then I leave him thinking about how to ration the water when the tank is full.

On my way back, I see people queuing in the hundreds to buy bread. Then the bombing starts up again and I rush back to Jabaliya. Hanna has been back to our flat to gather fresh clothes. The moment she got there, she tells me, an F-16 struck the building next to it — one surrounded by a small, beautiful orange orchard — destroying both.

Friday, Aug. 1

At the school next door to my father-in-law's house, a United Nations organizer tells everyone that a three-day truce has been declared, starting from this morning, and the hope is that it will become permanent. He is not clear whether people should go back to their homes.

His family of seven sleeps in three rooms. If a shell lands on one room, other members of the family will survive.

precious thing that nature and your humanity have endowed you with. Hope is your only weapon.

<u>Courtesy:</u> **http:\\www.NYTimes.com** ***(Online Edition)***

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کے زیر اہتمام

داخلے جاری ہیں

(پارٹ I اور II)

رجوع الی القرآن کورسز

(جاری کردہ) ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی
5. تجوید وناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- اس سال کلاسز کا آغاز یکم ستمبر سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین وحضرات یکم ستمبر کو صبح 8:30 بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ: داخلہ کے خواہشمند یکم ستمبر تک اپنی رجسٹریشن ضرور کروالیں۔ رجسٹریشن نہ ہونے کی صورت میں لیٹ داخلہ نہیں دیا جائے گا۔

پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: قرآن اکیڈمی
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
email:irts@tanzeem. org

ندیم سہیل
0322-4371473